اسلام اور سود

از

ڈاکٹر انور اقبال قریشی

نفیس اکیڈمی

قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ سکہ عثمانیہ — عابد روڈ حیدرآباد دکن — قیمت تین روپیہ کلدار

اسلام اور سود

از

ڈاکٹر انور اقبال قریشی
ایم اے ایم ایس سی (لندن) پی ایچ ڈی
صدر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ

نفیس اکیڈیمی
عابد روڈ حیدرآباد دکن

قیمت چار روپیہ دو آنہ سکۂ عثمانیہ

قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ کلدار

طبع دوم ——— ایک ہزار پانچسو

جون سنہ ۱۹۴۷ء

رزاقی پریس
حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین		صفحہ
۱	عرض حال	از انور اقبال قریشی	۷
۲	طبع دوم	ایضاً	۱۱
۳	پیش لفظ	پروفیسر گیان چند صاحب	۱۴
۴	مقدمہ	الحاج مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی	۱۷
۵	دیباچہ	علامہ سید سلیمان صاحب ندوی	۳۰
۶	پہلا باب	سود کے مغربی نظریئے	۴۲

سلسلہ نمبر		مضامین	صفحہ

۷	دوسرا باب۔	سود کا اسلامی نظریہ	۹۷
۸	تیسرا باب	سود اور رُبا	۱۷۶
۹	چوتھا باب	اسلام اور بنک کاری	۱۹۶
۱۰	پانچواں باب	معاشرے پر ربا کے اَثرات	۲۳۲
۱۱	چھٹا باب	معین شرح کے قرضوں کے بُرے اَثرات۔	۲۶۵

معاشرۂ انسانی کا ناسور

سود معاشرۂ انسانی کا وہ ناسور ہے جس نے ساری انسانی آبادی کو المناک اور متعفن بنا دیا ہے، انسانی تمدن کے ہر دور میں اس کے خلاف کوئی نہ کوئی آواز اٹھتی رہی ہے، چاہے وہ آواز کتنی ہی نحیف و زار کیوں نہ رہی ہو لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے خلاف ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا جاتا رہا ہے۔

موجودہ شیطانی نظام تمدن میں سود نے پچھلے دور سے بھی کسی قدر زیادہ تعفن پیدا کیا، اور جسم معاشرت پر اس ناسور نے طرح طرح کی شکلیں اختیار کیں، انفرادی سودخواری سے جب سودخواروں کی شکم سیری نہ ہو سکی تو انھوں نے اس کی متعدد اجتماعی شکلیں پیدا کرلیں بنک قائم ہوئے، بیمہ کمپنیاں وجود میں آئیں، اور نتیجہ یہ نکلا کہ جس شخص کے پاس دس پانچ روپیہ بھی بچ رہے وہ بنک میں ان روپیوں کو رکھ کر سودخواروں میں شریک ہو گیا۔ عام حالت میں وہ اتنی چھوٹی رقم کو سودی قرضہ پر لگانے کی شاید فکر نہ کر سکتا۔

شریعت اسلامی نے سود و ربا کی ہر شکل کو قطعی حرام قرار دیا ہے، اس لئے اسلام کے بعد سے جب کبھی سود کے خلاف آواز اٹھائی گئی تو اس میں نمایاں اور ممتاز آواز علمار اسلام کی رہی۔ اس زمانہ میں بھی علماء حق اسکے

خلاف آواز بلند کرنے سے غافل نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ انکی آواز آیات قرآنی احادیث نبوی، اور اقوال فقہاء کرام کی اسناد کے ساتھ بلند ہوتی رہی اس لئے جدید تعلیم یافتہ حضرات نے اسے محض تقلید سمجھا۔ اور یہ خیال کر لیا کہ شاید اہل فن کے نزدیک سود مفید ہے اور فقہاء اسلام کے نزدیک مضر" ــــ یہی وہ غلط فہمی ہے جو اس کتاب سے ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر انور اقبال قریشی فن معاشیات کے پروفیسر اور مسلم الثبوت ماہر ہیں انہوں نے جب اسلام اور سود کے نام سے پچھلے سال ایک کتاب شایع کی اور بتایا کہ سود نہ صرف اسلام کے نزدیک بلکہ فن معاشیات کے ماہرین کے نزدیک بھی ناپسندیدہ اور نامحمود چیز ہے تو لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور کتاب کو قابل رشک مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد بھی مطالعہ جاری رکھا، اور بڑی محنت و تندہی سے جاری رکھا۔ اس مزید مطالعہ کا حاصل اس کتاب کی افادیت کے بڑھانے میں صرف کیا۔ لیجئے اب اس مفید کتاب کا مفید تر دوسرا ایڈیشن پیش ہے۔ فاضل مصنف نے اس پر نظر ثانی کی ہے، اور اتنے وسیع پیمانہ پر اضافے کئے ہیں کہ کتاب صورت، سیرت۔ اور افادیت میں طبع اول سے کئی گونہ بڑھ گئی ہے۔

امید ہے کہ ناظرین اس سے پوری فائدہ اٹھائیں گے۔

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری
مالک نفیس اکاڈیمی۔ عابد روڈ حیدرآباد دکن

عرض حال

میرا خیال ہے کہ اس مقالے کے سلسلہ میں بطور ذاتی توضیح و اعتراف کے چند فقرے درکار ہیں۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں بمقام ناگپور جو معاشی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس کے موضوعات بحث میں سود کا نظریہ بھی شامل تھا۔ میں نے بھی اِس مباحثے میں حصہ لیا تھا اور سود کے موجودہ نظریوں کے نقائص واضح کرتے ہوئے اِس خیال کے اظہار کی جراءت کی تھی کہ سود بحیثیت مجموعی معاشرے کے لئے نفع سے زیادہ نقصان کا موجب ہے۔ نیز اگر سود کا قطعی طور پر خاتمہ کر دیا جائے تو ایک بہتر دُنیا تعمیر ہو سکے گی۔ اِس کانفرنس کے ایک رُکن مسٹر فنڈلے شراس میرے اِن تاثرات سے برافروختہ ہو گئے تھے اور اُنھوں نے کہا تھا کہ میں سود کے موضوع کے متعلق کٹر اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے زاویہ خیال کی ترجمانی کر رہا تھا۔ اِس کے جواب میں میں نے کہا تھا کہ میں اِس کانفرنس میں بحیثیت معاشیات کے ایک طالب علم کے گفتگو کر رہا ہوں لیکن اِنشاء اللہ کسی آئندہ موقعے پر سود کے بارے میں اِسلامی نقطۂ نظر کو پیش کر سکونگا

اِس واقعے کو گو کہ ایک عرصہ گزر گیا لیکن یہ مقالہ فی الحقیقت مسٹر فنڈلے شراس کے چیلنج کا بالواسطہ جواب ہے۔ اِس کے باوجود اِس مقالہ میں ہم نے جہانتک ہو سکا اکثر اِختلافی مباحث سے اِحتراز کیا ہے۔

شروع میں ہم نے اِبتدائی زمانے سے آج تک سود کے جو غیر اسلامی نظریئے پیش کئے گئے ہیں اُن کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ساتھ ہر نظریئے کے نقائص واضح کئے ہیں۔ دوسرے باب میں اِسلام کا نظریۂ سُود پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اِسلامی نظریہ اِس موضوع سے متعلق دوسرے تمام معلومہ اور موجودہ نظریوں سے بہتر ہے اور کس طرح جدید معاشی افکار و خیالات سود کے بارے میں اِسلامی نظریئے کی جانب کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ مجھے اِس تصنیف کے سلسلے میں کسی قسم کی جِدت کا دعویٰ نہیں ہے۔ چنانچہ یہ مواد میں نے ذی مرتبت اور مستند مصنفین کی تصانیف سے جمع کر کے قارئین کے سامنے سہل پیرائے میں پیش کر دیا ہے علاوہ بریں میں نے مصلحتاً بہت سے نامور معاشین کی تصانیف سے طویل اقتباسات درج کئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو سکے کہ مغربی مصنفین بھی سود کو معاشرے کے لئے نقصان دہ کہہ رہے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۸ء کی ناگپور کانفرنس کے بعد اِس مقالے کو پیش کرنے میں اِس قدر تاخیر کا سبب میرا یہ اِحساس تھا کہ میری معلومات اِسلامی اَدب اور مسائل کے متعلق نہایت ناکافی ہیں اور میں اِس بارے میں کسی قسم کا فیصلہ صادر کرنے کا ہرگز اہل نہیں ہوں۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ

اگر متعدد بزرگوں اور احباب کے اصرار کے ساتھ اُن کی ہمت افزائی اور امداد میرے شاملِ حال نہیں ہوتی تو شاید یہ مقالہ کبھی بھی دائرۂ تحریر میں نہ آتا۔

جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ اور ڈاکٹر حمید اللہ اُستاد اسلامی قانون کا میں بالخصوص ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے میری رہبری فرمائی اور وقتاً فوقتاً اس مسئلہ پر ان بزرگوں سے تبادلۂ خیال کا شرف مجھے حاصل ہوتا رہا جس سے میں بے انتہا مستفید ہوا۔ علاوہ بریں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں نے بھی مجھے بے حد متاثر کیا۔ نیز میں اپنے والد بزرگوار قبلہ جناب مفتی محمد یوسف علی صاحب قریشی کا بھی بہت مشکور ہوں جن کے ماہرانہ معلومات اس موضوع سے متعلق میرے لئے حد درجہ کارآمد ثابت ہوئے۔ فی الحقیقت ان ہی کی تحریک پر مجھے اسلامی مسائل سے دلچسپی پیدا ہوئی۔

یہ عرض حال میری مرضی سے زیادہ طویل ہوتا جارہا ہے لیکن میں یہاں ایک مزید اَمر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں جو کہ دراصل اس مقالے کا فوری باعث بنا۔ مولوی یوسف الدین صاحب ایم۔ اے (دینیات) مولانا مناظر احسن گیلانی کی اور میری مشترکہ نگرانی میں "اسلام کے معاشی نظریئے" کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے مقالہ تیار کر رہے ہیں اور درحقیقت میں اپنے موضوع کے متعلق بہت سے مستند مواد سے یوسف الدین صاحب کی رہبری کے دوران میں ہی واقف ہوا اور اس کے لئے میں یوسف الدین صاحب کا شرمندۂ

احسان ہوں۔

اس کتاب کا کچھ حصّہ اُردو میں اور کچھ حصّہ انگریزی میں لکھا گیا تھا میں اپنے دوست مسٹر سی ایچ۔ شیخ بی۔اے آنرز عربی لندن اور اپنے شاگرد مسٹر سید احمد مینائی اور عابد حسین رضوی صاحبان کا بیحد ممنون ہوں جنھوں نے مختلف اَبواب کے اُردو و انگریزی تراجم میں مجھے بے حد مدد دی۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے فاضلانہ مقدمہ کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے دشوار ہے۔

انور اقبال قریشی

طبع دوم

یہ امر میرے لئے نہایت اطمینان اور مسرت کا موجب ہے کہ اِس کتاب کو میری توقعات سے کہیں بڑھ چڑھ کر مقبولیت حاصل ہوئی۔ اِس کا پہلا اِڈیشن ایکہزار کی تعداد میں ادارۂ معاشیات کی جانب سے جنوری ۱۹۴۵ء میں شائع کیا گیا تھا۔ کوئی چھے ماہ کے اندر اندر ہی یہ اِڈیشن ختم ہوگیا اور دوسرے اِڈیشن کا تقاضہ ہونے لگا۔ لیکن میری سرکاری مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ میں اس کی طرف جلد توجہ نہ دے سکا۔ اگر پہلے اڈیشن کی محض نقل ہی شائع کرنا ہوتا تو یہ کام چنداں دشوار نہ تھا لیکن میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ دوسرا اڈیشن بہت کچھ نظرثانی چاہتا ہے۔ ملک کے متعدد رسائل اور جرائد نے اور علمائے کرام نے جہاں اِس کتاب کی تعریف کی وہاں اِس بات پر بھی زور دیا کہ اِس کتاب کو اس کی اِفادیت کے پیش نظر زیادہ سہل بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ اِرشاد بالکل بجا تھا کیونکہ اِس کا پہلا اِڈیشن معاشیات کے طلباء کے لئے شائع کیا گیا تھا اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ اِس مسئلے کے عام معاشی پہلوؤں سے واقف ہیں۔ موجودہ اِڈیشن میں اِس

امر کی کوشش کی ہے کہ حواشی کے ذریعے مشکل اصطلاحات کی تشریح کر دی جائے اور جہاں طرزِ استدلال زیادہ پیچیدہ تھا اُسے آسان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجھے اِس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا اندازہ پڑھنے والے لگا سکتے ہیں۔

اِس کتاب کا دوسرا اِڈیشن زیادہ اِہتمام کے ساتھ نفیس اِکیڈمی حیدر آباد کی طرف سے شایع کیا جا رہا ہے اِس کتاب کا انگریزی اِڈیشن شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور کی طرف سے حال ہی میں شایع کیا گیا ہے۔

حمایت نگر
یکم ستمبر ۱۹۴۶ء

انور اِقبال قریشی

پیش لفظ

میں اپنے دوست ڈاکٹر انور اقبال قریشی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں ان کی تصنیف اسلام اور سُود کے مسودے کا مطالعہ کرسکوں۔ اِسلام کے معاشرتی فلسفہ کا ایک جزیہ ہے کہ اُس نے سُود کی ممانعت کی ہے (ہندوستان بھر میں کابلی، پٹھان سودخواروں کی موجودگی کے باوجود)، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے معاشی معاملات پر اس کا نہایت اہم اثر رہا ہے اور رہے۔

ڈاکٹر قریشی نے اِس اہم مسئلے کے اِسلامی نقاط بیان کرتے ہوئے وہ تمام اُمور بیان کئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب میں اس کی ممانعت کیوں کی گئی ہے اور دنیا کے اہم معاملات پر اس کا کیا اَثر پڑتا ہے۔ اب جب کہ جنگ ختم ہوجائے گی تو یہ معاملات اور بھی شدّت اور اہمیت اختیار کریں گے۔

معاشی نظریات میں گزشتہ دس بیس برس میں بہت نمایاں تبدیلیاں ہوئیں ہیں اور پہلے جو یہ نظریہ تھا کہ سود ایک اہم معاشی

خدمت کا ضروری معاوضہ ہے اس کے خلاف آب زیادہ واضح مواد جمع ہو رہا ہے۔ اس امر سے کہ حکومت نے جنگ کے زمانے میں تین فیصد یا اس سے کم شرح پر کثیر رقومات بطور قرض حاصل کی ہیں یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ وہ نظریہ جو اس بات کا ادعا کرتا تھا کہ سود کی کوئی قدرتی شرح بھی موجود ہے اور اصل حاصل کرنے کے لئے اس شرح کی ادائیگی ضروری ہے، کس قدر غلط تھا۔ ڈاکٹر قریشی نے سود کے نئے نظریئے کو تاریخی زاویہ نگاہ سے پیش کیا ہے اور اس کا ربط اسلامی نظریئے کے ساتھ قایم کرکے اس کے رموز قایم کیئے ہیں۔

میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ بتا سکوں کہ کس حد تک یہ دونوں نظریئے صحیح ہیں لیکن میری رائے میں ڈاکٹر قریشی نے جو اسلامی نظریئے کی تائید کی ہے وہ بہت ہی غور و فکر کی محتاج ہے۔ مذہبی احکامات کو عام روزمرہ کی زندگی کی روشنی میں سمجھنے اور بیان کرنے کی انتہائی ضرورت ہے تاکہ ہم زندگی کی کشمکش کے جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں مذہبی نقطۂ نظر بھی ایک زندہ نقطۂ نظر رہے اور اس کی روشنی میں مسائل پر غور و فکر کیا جا سکے۔ ڈاکٹر قریشی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بطور ایک معاشی ماہر کے ایک ایسے مسئلے پر روشنی ڈالی ہے جو آجکل بہت زیادہ اہم ہے۔

جنگ کے بعد ہمیں اسلام کے اُس جانبدار حکم کی ضرورت درپیش آئیگی جس میں سود کو منع کیا ہے۔ تاکہ جنگ سے تباہ شدہ دنیا کو پھر بہتر

حالت پر لایا جا سکے اور اس میں تعمیری کام جاری کیئے جائیں۔ جنگ کے زمانے میں امریکہ نے جو قرضے اور پٹے کا بل پاس کیا ہے اس میں بھی کچھ اس قسم کی حکمت عملی کی روح موجود ہے۔ اور اگرچہ یہ قانون محض جنگ کی ضروریات کے لیئے پیش کیا گیا تھا جس میں کہ سب اتحادی قوموں نے اپنے جملہ مسائل کو یکجا مجتمع کیا تھا، ہمیں اِس قسم کے جذبے کی اور بڑے پیمانے پر ضرورت لاحق ہوگی تاکہ جنگ سے اُجڑی اور بگڑی ہوئی دنیا کو پھر سے تعمیر کر سکیں اور اس میں پائیدار امن قائم رَہ سکے۔ بہت سی ضرورت مند افراد قومیں، اور ممالک ایسے ہونگے جنھیں جنگ کے بعد اپنی، اور اپنے ممالک، انسانی اور قدرتی ذرائع کی ترقی کے لیئے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیئے مدد کرنا پڑیگی اور یہ مقصد اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کمزوروں کے استحصال کا جذبہ نہ نکال دیا جائے اور باہمی طور پر مِل جُل کر بڑے پیمانے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کیجائے۔ جس میں کہ سب کا بھلا ہو۔ معاشیات میں جو تازہ نظریئے نشو ونما پائے ہیں میں اُن سے یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام نے جو سود کی ممانعت کی تھی اس میں بھی یہی مضمرات تھے۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر قریشی نے اِس اہم مضمون پر جو روشنی ڈالی ہے اُس پر مذہب اور معاشیات دونوں کے طلبا بہت غور کریں گے۔ وہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ہماری داد اور شکریئے کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے

اسلام کے زاویۂ نگاہ کو جدید معاشیاتی روشنی میں پیش کیا ہے جس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔ میں بالخصوص اُن کے اس تجزیہ سے بہت مستفید ہوا ہوں۔

پٹنہ
فروری ۱۹۴۵ء

گیان چند
پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی
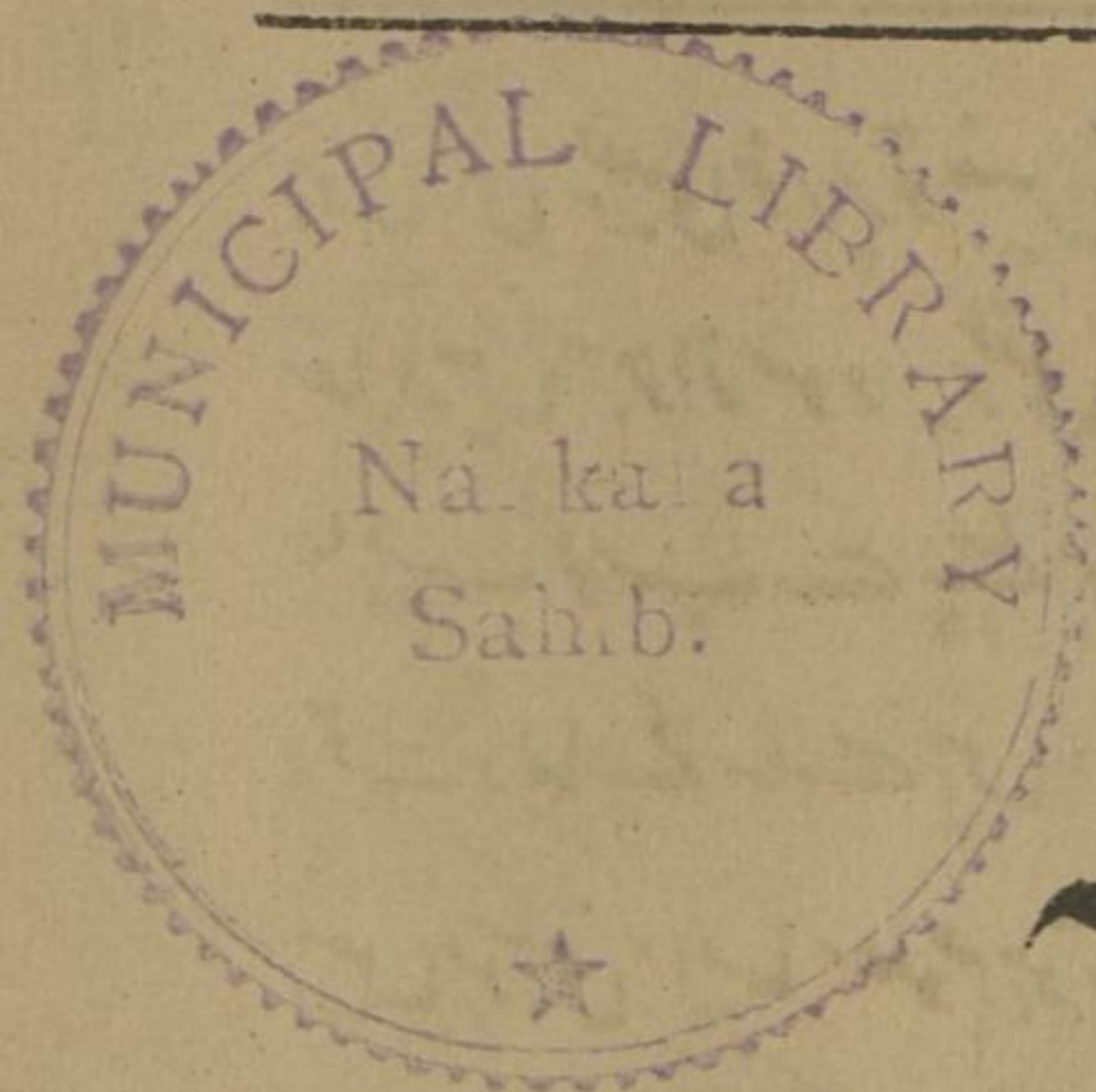
مُقدّمہ

از

الحاج مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

"مسئلۂ سود" یا "ربوا" ایک قدیم کاروباری مسئلہ ہے، جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، یوں تو اس کاروبار کو دنیا کی اکثر قومیں کرتی رہی ہیں۔ اچھا کام اس کو کسی زمانہ میں کہیں بھی نہیں سمجھا گیا۔ سود خوار گو لوگوں ہی میں رہتا تھا لیکن اس کی حیثیت معاشرہ میں عموماً ایک مجرم کی سمجھی جاتی تھی، دوسرے بھی اس کو مجرم ہی سمجھتے تھے اور جہاں تک میرا خیال ہے خود سود خوار بھی اپنے ضمیر کا اپنے آپ کو مجرم ہی سا کچھ خیال کرتا تھا اسی لئے اپنے فعل کے "جواز" پر استدلال وحجت کی جرات اسے مشکل ہی سے

ہوتی تھی، یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ حرمت سود کے مقابلہ میں "جواز سود" پر عقلی احتجاج کے رنگ میں گفتگو کرنے کی ہمت عرب جاہلیت کو سب سے پہلے ہوئی تو شاید تاریخی حیثیت یا کم از کم جو تاریخی مواد اس وقت دنیا کے سامنے ہیں اس کے لحاظ سے اس کے انکار کی غالباً کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے جب انتہائی سخت لہجوں میں "سود خواری" کے جرم کی مسلسل سزاؤں کا اعلان شروع کر دیا۔ سزائیں بھی ایسی شدید کہ بڑے سے بڑے کبیرہ گناہ کے متعلق بھی سزاؤں کی اتنی شدت قرآن میں نہیں ملتی (شیطانی آسیب زدوں کی شکلوں میں سود خوار اٹھے گا۔ تکثیر دولت کی تمام کوششوں کو اس کی قدرت برباد کرکے رہے گی، جہنم میں اسے ابدی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا اور آخر میں تو قرآن نے اعلان کر دیا کہ جو سود خواری سے رکنے اور توبہ کرنے پر آمادہ نہیں ہے، چاہیئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اعلان جنگ دیدے۔

علمائے اسلام نے بھی لکھا ہے کہ کسی جرم پر خواہ اس کی زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہو۔ اتنی متعدد سزاؤں کی دھمکی قرآن میں نہیں دی گئی ہے، چونکہ "سود خواری" ظاہر ہے کہ ایک "معاشی جرم" ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے معاشیاتی مسائل کو کتنی اہمیت دی ہے۔

بہرحال ان ہی سخت گیریوں، اور تیز و تند لہجوں کا جن کو مسئلہ سود کے متعلق قرآن نے اختیار کیا ہے، غالباً یہ نتیجہ ہوا کہ یوں تو جاہلی عرب والے خود بھی "سود خواری" کے کاروبار کو بجائے خود اچھا نہیں سمجھتے تھے مزید برآں

کعبہ کی تعمیر جدید کے لئے جب چندہ کا اعلان جاہلیت کے زمانہ میں ایک دفعہ کیا گیا تھا، تو منجملہ دیگر شرائط کے ایک شرط یہ بھی مورخین نقل کرتے ہیں کہ "زرِ چندہ" میں سود کی آمدنی شریک نہ کی جائے۔ کیونکہ اس پاک کام میں پاک مال ہی لگایا جائے گا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کی آمدنی کو جاہل عرب بھی ناپاک اور نجس ہی سمجھتے تھے۔

لیکن باوجود اس کے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی سختیوں کے مقابلہ میں اُن کے قلوب بھی سخت ہو گئے، اور جیسا کہ میں نے اپنا خیال عرض کیا "جوازِ سود" پر غالباً سب سے پہلے ان ہی جاہل عربوں نے یہ استدلال پیش کیا کہ

انما البیع مثل الربوا۔ بیع و فروخت کے معاملہ ہی کی طرح تو سود کا معاملہ یعنی وہی بات کہ بیع کے معاملہ میں بھی مال کا مبادلہ مال سے ہوتا ہے، اور سود میں بھی مال کا مبادلہ مال ہی سے کیا جاتا ہے، تو پھر دونوں میں فرق کیا ہے جب بیع کے معاملہ کو قرآن جائز اور حلال قرار دے رہا ہے، تو پھر "سود" کے معاملہ کو حرام و ناجائز اور وہ بھی اتنی سختیوں کے ساتھ ٹھیرانا اس کی عقلی وجہ کیا ہو سکتی ہے، قرآن میں اُن کے اس عقلی استدلال کے جواب میں بہ ظاہر کوئی ایسی چیز تو نہیں پائی جاتی ہے جسے عقلی اعتراض کا عقلی جواب قرار دیا جا سکتا ہو، بلکہ جواب میں یہی کہہ دیا گیا، کہ خدا کا حکم یوں ہی ہے اسلئے "بیع" کو حلال کیا ہے اور "ربوا" یعنی سود" کو حرام کر دیا ہے۔ اس کے بعد پھر اُن سزاؤں کا بیان ہے جس کا ذکر میں کر چکا ہوں اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ

عقول کے پیدا کرنے والے اور اپنے بندوں پر تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑے رحیم خدا کا کسی چیز کو حرام قرار دینا، یہی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے ایسی عقلی دلیل جس کے مقابلے میں انسانی دماغ کی بنائی ہوئی دلیلوں کی کوئی قیمت اور وقعت نہیں ہے شائد قرآن نے اسی کو کافی و وافی قرار دیا۔ اس کے بعد سیاسی طور پر جاہلی عرب مسلم عرب سے مغلوب ہو گیا اور اس کے بعد اس زمانہ میں کرۂ زمین کی بڑی سی بڑی قوتیں مشرق و مغرب کی جو تھیں، اُن کو بھی اسلامی جھنڈے کے سامنے سر جھکانا پڑا، اسلامی حکومتوں نے نہ صرف مسلمانوں کی حد تک بلکہ اپنے قلمرو کے تمام باشندوں میں سودی لین دین کو ناجائز ٹھیراتے ہوئے ایک عام صورت ایسی پیدا کر دی کہ صدیوں "جواز سود" کی طرف پھر کسی کا خیال تک نہیں گیا؛ ایک تو یونہی اکثر قوموں میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں یہ کاروبار بدنام تھا۔ لیکن پھر اسلام کا سیاسی اقتدار جب روئے زمین پر قائم ہوا، تو جیسا کہ قاعدہ ہے ہر چیز کی بھلائی اور برائی کا معیار اس زمانہ میں اسلام ہی کا نقطۂ نظر بن گیا سیاسی غلبہ کا یہ ایک عام اثر ہے، جس سے دنیا ہمیشہ متاثر رہی ہے اور آج بھی ہے۔ کسی چیز کی بہتری کی سب سے بڑی دلیل اس زمانہ میں بھی یہی ہے کہ جن قوموں کو آج کل دنیا میں سیاسی اقتدار حاصل ہے یہ اُن کا قول یا فعل ہے۔

غالباً یہی وجہ ہوئی کہ اسلامی قانون کے شارحین یعنی فقہاء نے بھی فقہ کے معاشی ابواب کے ذیل میں "حرمتِ سود" پر عقلی بحث و تنقید کو

ضروری خیال نہ کیا بے دلیل ہی دُنیا جس چیز کو مان رہی تھی اور خاص کر اس لئے مان رہی تھی کہ اسلام بھی اس کو وہی منوانا چاہتا تھا، ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ پھر اس کے لئے استدلال وبحث کی الجھنوں میں لوگوں کو پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ فقہ کی اُن عام کتابوں میں ربوا کی عام ومروج صورت کا تذکرہ صحیح معنوں میں گویا نہیں کیا گیا ہے بلکہ قرآن وحدیث ہی کے تصریحات کو اس کے لئے کافی سمجھا گیا تھا، اُنھوں نے بحث کی بھی ہے، تو ایسے بعید اور غریب جزئیات کے متعلق کی ہے جن میں کسی نہ کسی حیثیت سے سود یا ربوا کا کوئی باریک یا نازک شائبہ پایا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور فرمان "دعوا الربوا والریبہ" (یعنی سود کی جو حقیقی شکل ہے اس کو بھی چھوڑ دو، یعنی جس میں سود ہونے کا کچھ بھی شک وشبہ ہو، چاہیئے کہ اسے بھی ترک کر دیا جائے) اسی فرمان کی تعمیل میں اسلامی فقہائے نے تلاش کر کر کے ربوا کی نازک سے نازک اشتباہی شکلوں کا استنباط کر کے اُن پر حرمت اور عدم جواز کا حکم لگایا۔ انتہا احتیاط کی ان فقہاء کے نزدیک یہ ہے، کہ بعض فقہی ائمہ کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ کے نیچے دھوپ سے پناہ لینے تک کو وہ ایک طرح سے قرضی سود کی شکل قرار دیتے تھے۔

لیکن زمانہ بدلا مسلمانوں کے سیاسی غلبہ نے بہ تدریج مغلوبیت کا رنگ ہر اس جگہ اختیار کیا جہاں وہ غالب تھے، معیار بدل گیا، اسلام کی طرف کسی شئے کا انتساب بھی اس کی خوبی کی دلیل تھی، یہ بات جاتی رہی

اِدھر یہ قصّہ پیش آیا، اُدھر یورپ جسے مسلمانوں کی مغلوبیت کے بعد دنیا کا سیاسی اِقتدار بخشا گیا تھا وہ کلیسائی آویزشوں کے سلسلہ میں بالآخر اس نتیجہ تک پہنچا کہ کلیسا کے ساتھ ساتھ قریب قریب اس نے مذہب کے اِقتدار کا بھی اِنکار کر دیا۔ "سود" حالانکہ اس مذہب میں بھی کچھ اچھا فعل نہ تھا جس کا کلیسائی عہد میں یورپ پابند تھا، لیکن کلیسا اور مذہب کے اِقتدار کے ختم کر دینے کے بعد صرف اِس لئے کہ "سود خواری" مذہبی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ فعل ہے، قابلِ توجہ باقی نہ رہا۔ سوال اُٹھایا گیا کہ مذہب سے قطع نظر کر کے خالص عقلی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ "سود" اور "ربوا" کی کیا حیثیت ہے اِسی عرصہ میں یونانی "حکمت عملیہ" کی مشہور پرانی شاخ "تدبیر المنزل" کا ایک خاص شعبہ "مال اور متمول" نے یورپ میں "علم معاشیات" کی ایک مستقل شکل اِختیار کرنی شروع کی، "سود" بھی ظاہر ہے کہ اسی علم کا مسئلہ ہو سکتا تھا۔ عقلی معاشیین نے اِس پر بحث شروع کی، زیادہ مدت نہیں گزری کہ مباحث اور ردو قدح کا ایک کافی ذخیرہ فنِ "معاشیات" کی کتابوں میں جمع ہو گیا۔

اور اِتنی دراز مدت کے بعد "جاہلی عرب" کی اِسی مردہ دلیل نے جس کا قرآن نے "انما البیع مثل الربوا کے الفاظ میں ذکر کیا تھا، پھر کروٹ لی، اِسی جاہلی دلیل کو یورپ کے اربابِ فکر و نظر نے نئے سرے سے پھر زندہ کیا، اور اپنی اپنی حکومتوں کو متاثر کر کے "سود خواری" کے کاروبار کو قانونی جواز کی سند عطا کی، یورپ نے زندگی کے دوسرے

شعبوں میں جس طرح حیرت انگیز انقلابی اقدامات کئے "سودی کاروبار" کے قبضے کو بھی نت نئی شکلوں میں منظم کرنے کی کوششیں کی گئیں، اس دور سے پہلے "سود خواری" کے مواقع محض ان ہی افراد و اشخاص تک محدود تھے جو براہ راست اس کاروبار کو کرتے تھے۔ لیکن "سود خواری" کی جدید مغربی تنظیموں نے ہر اس شخص کے لئے سود خواری کے مواقع فراہم کر دیئے۔ جو اپنی آمدنی سے کچھ بھی حتیٰ کہ روپیہ دو روپیہ ماہوار بھی پس انداز کر سکتا ہو، موقع دیا گیا کہ براہ راست اگر کاروبار سے متعلق نہ ہو، جب بھی اس کی پس انداز آمدنی کا سود بغیر کسی خرخشہ کے اس کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ اور اس کے سوا اور کاروبار کے دوسرے طریقوں لین دین کی دوسری راہوں میں بھی اسی "سود" کو کچھ اس طرح جذب اور پیوست کر دیا گیا کہ اس زمانہ میں کسی قسم کا کاروبار کرنا یا مالی ذرائع کی کسی شاخ سے بھی تعلق پیدا کرنا سود لینے یا سود دینے کے بغیر قریب قریب ناممکن ہو گیا، جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، اور تفصیل کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس زمانہ میں جو بھی جی رہا ہے اپنی کھلی آنکھوں سے اس قصہ کو دیکھ رہا ہے بعض مذہبی پیشگوئیوں میں اس کا ذکر پہلے بھی کیا گیا تھا کہ ایک وقت دنیا پر ایسا آکر رہے گا۔ بہر حال اسلامی ممالک پر بھی جب مغربی تمدن کا غلبہ سیاسی اقتدار کی راہ سے قائم ہوا، تو تقریباً ہر اس ملک میں جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اس حال کو دیکھ کر جیسا کہ چاہیئے تھا، سوالات اٹھنے شروع ہوئے۔ خصوصاً ہندوستان اور مصر کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مغربی تمدن کا دباؤ اسلامی ممالک کے

سلسلہ میں ان ہی دو ملکوں پر پڑا۔ اِن دونوں اسلامی ملکوں میں مسئلہ ربوا اور سود پر بحثیں شروع ہوگئیں۔ مقالے شائع ہونے لگے، کتابیں لکھی گئیں فتوے مرتب کئے گئے، اور اس کا سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔ جو مواد اُبتک تحریر میں آچکا ہے اگر سب کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ "حرمتِ سود" یا "جواز سود" پر اسلامی ممالک میں اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے۔ زیادہ تر کیا بلکہ بالکلیہ یہ سارے مباحث مذہب اور مذہبی روایات کی تنقید و تنقیح ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عقلی اور فنی حیثیت سے تو "حرمت سود" کا مسئلہ قابل بحث باقی نہیں رہا ہے، دوسرے الفاظ میں کوئی کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے، کہ عقلی دائروں میں جاہلی عرب کے استدلال کی جیت گویا مسلّم ہو چکی تھی، لے دے کر بات صرف اِتنی رہ گئی تھی کہ مذہب جو اس میدان میں چت ہو چکا ہے، اس کی طرف سے کوئی معقول "معذرت نامہ" دنیا میں پیش ہو سکتا ہے یا نہیں یا ایسی صورت کیا کوئی نکالی جا سکتی ہے کہ "سود" کے مسئلہ میں عقل و علم کی مذہب سے مصالحت ہو جائے۔ ابتک اس سلسلہ میں جو کیا جا چکا تھا اس کا خلاصہ یہی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معاشیات کی خالص عقلی و فنی کتابوں میں بحث کرنے والوں نے صرف سود کے جواز ہی پر زور دیا ہے یقیناً بحث کرنے والے اس دائرہ میں مختلف باتیں کہہ رہے تھے۔ بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی ممالک

ہیں مغربی تمدن کے استیلاء کے بعد خود ان ممالک میں مسلمان علماء یا دوسروں نے جو کچھ لکھا تھا اس کا خلاصہ وہی تھا، جو میں نے بیان کیا۔

لیکن ۱۳۶۳ھ کا سن یہ پہلا سن ہے، اور جامعہ عثمانیہ اسلامی ممالک کا پہلا ادارہ ہے، کہ اس کے ایک ممتاز فاضل استاد کی طرف سے مسئلہ "ربوا" اور "سود" پر ایک مستقل مقالہ محض فنی اور عقلی نقطۂ نظر سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اور یہ وہی مقالہ ہے جس کا تعارف ان الفاظ سے فقیر کرا رہا ہے یہ ہمارے محترم دوست، ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ استاد معاشیات جامعہ عثمانیہ کے قلم کا کارنامہ ہے؛ مقالہ آپ کے سامنے ہے مضامین کی نوعیت کا اندازہ خود اس مقالہ کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے۔ میں اس سلسلہ میں صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں، اور کہنا کیا چاہتا ہوں صرف اپنے احساس کا اظہار مقصود ہے کہ طباعت سے پہلے ڈاکٹر صاحب ممدوح نے اس مقالہ کا مسودہ براہ مہربانی جب مجھے پڑھنے کے لئے دیا اور اس کو میں نے پڑھنا شروع کیا۔ تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ واقعہ درحقیقت کیا ہے اور سمجھنے والے کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہمیں تو یہی باور کرایا گیا تھا۔ کہ عقلی نقطۂ نظر سے "جواز سود" کے مسئلہ کو اس زمانہ کے علمی تحقیق نے تقریباً قطعی فیصلہ کی صورت دے کر گویا ایک غیر مشتبہ مسئلہ بنا دیا ہے۔ اب اس مسئلہ میں عقلاً شک کرنا عقل کے ساتھ تمسخر ہے۔ البتہ "حرمتِ سود" کے بعض پہلو اہلِ دانش کے لئے ابھی محل غور ہیں ہم اب تک جو کچھ سمجھے ہوئے تھے۔ معاشیات کی جن عام کتابوں تک ہماری رسائی تھی ان میں بھی سود کے

الواب کے مباحث کو پڑھنے کے بعد دل میں اگر کوئی اثر پیدا ہوتا تھا تو یہی پیدا ہوتا تھا۔

لیکن میں بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ ششدر و حیران ہو کر رہ گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ "جوازِ سود" کے مسئلہ کا غیر مشتبہ ہونا تو خیر دور کی بات ہے، ماہرین معاشیات اب تک صحیح طور پر اس کے پتہ چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ کہ "سود" کے "جواز" کی کوئی معقول وجہ ہے بھی یا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مقالہ میں ارباب فن کی ان فکری قلابازیوں کا تماشا دکھایا ہے، جن میں مسلسل یہ الٹ پلٹ رہے ہیں۔ اور یہ ابتدائی سوال کہ "سود کی آمدنی کے لینے کا سود خوار کو اگر حق دار قرار دیا جائے تو کیوں دیا جائے"؟ اس ابتدائی سوال کے جواب میں ان کی سراغ رسانیاں کسی آخری نتیجہ تک نہیں پہنچی ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے سود حرام کیوں ہو؟ سمجھا یا گیا تھا کہ اس سوال کا جواب مشکل ہے ورنہ سود کا جواز تو گویا ایک بدیہی مسئلہ ہے لیکن ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب کے اس رسالہ سے اب معلوم ہوا کہ

سود جائز کیوں ہو؟

اس کا کوئی عقلی اور فنی جواب تلاش کرنے والوں کو اب تک نہیں مل رہا ہے کوئی ایسی مشخص و متعین چیز لوگوں کی گرفت میں نہیں آرہی ہے جسے "سود" کا واقعی معاوضہ قرار دیا جا سکتا ہو، پیش کرنے والوں نے انتہائی فیل شنا یسو

سے کام لے کر ٹٹولنے کی کوششوں کو ختم کر دینے کے بعد جس زمانہ میں بھی جو چیز معاوضہ کے اِس سوال کے جواب میں پیش کی ہے، ہلکی سی رد و قدح کے بعد فن کے ماہرین نے اس کو مسترد کر دیا ہے۔ تدریجی طور پر ٹٹول کی اِس مہم نے جو منازل و مراحل اَب تک طے کئے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے عام فہم سلجھے ہوئے الفاظ میں اس کا تماشا پیش کیا ہے اور معاوضہ ہی نہیں اس سے بھی زیادہ دشوار جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے تعیین معاوضہ کا سوال ہے، یعنی شرح سود کی کمی و بیشی کی تعیین میں کس معاوضہ کی کمی و بیشی کا خیال کیا جائے۔ یہ مسئلہ تو گویا جذر اصم کی صورت رکھتا ہے۔

اِسی سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے ان روشن خیالیوں کی طرف بھی بیچ بیچ میں اشارہ فرمایا ہے، جن کا اظہار بعض اسلامی علماء کی جانب سے اِس مسئلہ میں پہلے بھی کچھ کیا گیا ہے اور آج بھی ہنس کی چال چلنے کے شوق میں بعضوں کی طرف سے اِس تماشے کا اعادہ کیا جا رہا ہے، اِس لفظی مغالطہ کی بھی بحیثیت ایک ماہر فن کے انھوں نے قلعی کھولی ہے، جو سود کے جواز کی کوشش لفظ بنک کے نقاب کو اوڑھ کر بعض کرنے والے کر رہے ہیں۔ یعنی "بنک" کے اضافہ سے چاہتے ہیں کہ وہ سود کو سود ہونے کے دائرے سے خارج کر دیں۔ انھوں نے عقلی مباحث کے ساتھ ساتھ درمیان میں اسلامی مستندات کے ان وثائق کو بھی موقعہ موقعہ سے اپنے اِس مقالہ میں درج کیا ہے، جو اِس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

"سودی کاروبار" کی قطعی ممانعت کے بعد بھی دُنیا کے تمام معاشی معاملات باحسن وجوہ بہترین نتائج کے ساتھ جاری رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے اِمکانات بھی دکھائے ہیں اور بتایا ہے کہ اِسلام کا "معاشی نظام" اس کے لئے قطعی طور پر ہر لحاظ سے کافی و وافی ہے' بہرحال مضامین کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو اصل مقالہ کے پڑھنے ہی سے ہوسکتا ہے میں آخر میں اِسلام کی طرف سے سارے جہان کے مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔

میں اُن کے محترم والد صاحب مفتی محمد یوسف صاحب ایڈووکیٹ جالندھر شہر جن سے فقیر کو بھی نیاز حاصل ہے' ایک ایسے سَعید لختِ جگر کی مبارکباد دیتا ہوں جس کے قلم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مُبین کی نصرت میں ایک اِقدامی کارنامہ انجام دیا ہے۔ حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس سے بھی زیادہ اِسلامی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

ختم کرتے ہوئے' میں ان لوگوں کو بھی کچھ متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو "جامعہ عثمانیہ" کی موجودہ اِجتماعی ہئیت کے نتائج کے اندازے سے غفلت برت رہے ہیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ اِس قسم کے علمی کارنامے جیساکہ یہ مقالہ ہے۔ کیا ایسی یونیورسٹی کی طرف سے پیش

ہو سکتے ہیں۔ جس کو دین سے قطعی الگ کر کے صرف "دنیا" کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔ فقط

والسلام

خاکسار مناظر احسن گیلانی (معلم جامعہ عثمانیہ)

۸ر دسمبر ۱۹۴۴ء

دیباچہ

از

علامۂ سید سلیمان صاحب ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور سود

یورپ کے موجودہ تمدن کی ظاہری چمک دمک اور رنگ و روغن نے لوگوں کے دلوں کو ایسا اپنی طرف لبھایا ہے کہ دلائل کے بجائے یورپ کا طرزِ عمل ہی مسائل کے خطا و صواب اور اعمال کے خیر و شر کا معیار قرار پاگیا ہے کسی رائے کے صواب اور عمل کے خیر ہونے کے لئے یہ دیکھنا کافی ہے کہ یورپ نے اس کا کیا فیصلہ کیا ہے اور اس باب میں

طریق کار کیا ہے۔ اب ہر وہ مسئلہ جو اس کے مطابق نہیں وہ خطا اور ہر وہ
عمل جو اس کے موافق نہیں وہ شر ہے چنانچہ آج کل کے اکثر مدعیان عقل
کے نزدیک تحقیق کی یہی صحیح راہ ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہم کو اس کی بدولت اپنے
بہت سے اصول چھوڑنے پڑے بہت سے مسائل میں مذہبی احکام کی غلطی
محسوس کرنے لگے اور ہمارے بہت سے نوجوانوں کو اپنے مذہبی مسائل میں
تبدیلی کا خیال پیدا ہونے لگا اور بہت سے متکلمینِ جدید نے اسلام کی
مدافعت میں معذرت اور اپالوجی کا رنگ اختیار کیا مثلاً کوشش کرنے
لگے کہ کاش کسی طرح اسلام کی پیشانی سے ربا کی حرمت کا داغ مٹایا جاسکتا
چنانچہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں سودی رواج کو ترقی دینے
کے لئے ایک سوسائٹی بنی اور علی گڈھ سے اور پھر بدایون سے اس کا
اخبار بھی نکلا اور کئی رسالے چھاپے گئے اور لوگوں کو مسلمانوں کے
موجودہ عدم ترقی کا سبب اسی مسئلہ حرمت سود کے اعتقاد کو قرار دیا گیا
اور یہ دلائل اس زور و شور سے پیش کئے گئے کہ خود قرآن پاک احادیث
اور فقہی روایات تک کی توجیہہ و تاویل سے جھجھک نہیں رہی اور
کم از کم ایک صدی اس مناظرہ میں ختم ہوگئی اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ
یہ ثابت کیا جائے کہ علمائے دین اس مسئلہ میں دین کا جو حکم سناتے ہیں
وہ قطعاً ان کی ذاتی رائے ہے مگر کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا آئیگا
جب یورپ ان غلط اقتصادی مسائل اور اعمال کا خمیازہ بھگتنے کے
بعد اپنے گزشتہ نشہ سے چونکے گا اور خود آزر کے گھر میں ایسے ابراہیم

پیدا ہوں گے جو اپنی غلطی کو تسلیم کریں گے اور ہر قسم کے ربا کی حرمت کا فتویٰ خود اپنے تجربوں اور علم اقتصاد کے حقیقی اصولوں سے صادر کریں گے پہلے تو سوشلزم اور بالشیزم تحریکوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر جواز سود کی اقتصادی کمزوری ظاہر ہوئی اور اب دوسرے ماہرین اقتصاد نے بھی اس کے نقصانات کا اندازہ کیا۔

ہم کو خوشی ہے کہ ہمارے نوجوان ماہر معاشیات ڈاکٹر انور اقبال قریشی صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اسلام کے مسئلہ حرمت ربا کو جدید ترین اقتصادی تحقیقات کی عینک سے دیکھا اور موجودہ ماہرین معاشیات کے معیار پر جانچا اور پرکھا اور بتایا کہ اسلام نے حرمت ربا کا جو فتویٰ آج سے چودہ سو برس پیشتر صادر کیا تھا وہ سراسر درست اور انسانیت کے لئے رحمت اور انسانی سوسائٹیوں کی خیر و فلاح کا باعث ہے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں اپنے مباحث اور دلائل کو اس کتاب میں مرتب کر دیا ہے۔

موصوف نے اپنی اس کتاب کو چھ بابوں پر تقسیم کیا ہے پہلے باب میں مسئلہ سود کے متعلق مغربی نقطۂ نظر کی تشریح ہے اور شروع سے اس وقت تک اس مسئلہ کے جتنے نظریئے بنے اور پیش کئے گئے ان کے کمزور پہلوؤں کو فنی حیثیت سے کھول کر دکھایا ہے۔ دوسرے باب میں اسلام کے نظریۂ سود کو مدلل بیان کیا ہے۔ تیسرے باب میں سود کی منافع اور بیاج کی حقیقت پر بحث کی ہے۔ چوتھے باب میں

اسلام کے نقطۂ نظر سے بینکنگ سسٹم کے عدم جواز کو دکھایا ہے اور فنی حیثیت سے اسلام کے اس فیصلہ کو درست ثابت کیا ہے۔ پانچویں باب میں سودی منافع اور بیاج کے ان اثرات کا ذکر کیا ہے جو انسانی سوسائیٹی پر پڑ رہے ہیں۔ اور چھٹے باب میں مقررہ و محدود سودی منافع کے نقصانات بتائے ہیں اور ہر باب کو فنی دلائل سے مضبوط کیا ہے اور جدید ترین اقتصادی مسائل اور نظریات اور موجودہ مغربی ماہرین اقتصادیات کے اصول و خیالات کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔

مصنف نے اسلامی مسائل کی تشریح میں ہمارے دو فاضل دوستوں اور جامعہ عثمانیہ کے لائق پروفیسر دل مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے معلومات اور مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تحریرات اور اپنے والد مفتی محمد یوسف علی قریشی کے خیالات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ دوسری طرف اقتصادی مسائل کی تحریر میں اس زمانہ کے مشہور و ماہر اقتصادیات مصنفین و مفکرین یورپ کے نظریات و افکار کی ترجمانی کی ہے۔

سود کی حرمت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اور اکثر قدیم حکما یکساں متفق ہیں۔ راقم نے سود اور صحف انبیاء علیہم السلام کے عنوان سے الندوہ سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ یونانی اور رومی مفکرین نے بھی اس کو اپنے وقت میں ناجائز بتایا ہے اور تورات اور انجیل میں بھی جو مغربی قوموں کے صحیفے ہیں ان کو اسی طرح حرام کیا گیا ہے جس طرح وہ اسلام میں حرام ہیں لیکن یہودیوں نے

ان حدود کو توڑنے کے لئے جوان کے دین نے ان پر عائد کی ہے ہمیشہ سے اور ہر ملک میں کوشش کی ہے اور انھیں کی پیروی عیسائیوں نے کی ہے اِس باب میں سب سے آسان قدم یہ ہے کہ سود کے لئے جو اصل عبرانی یا یونانی لفظ ہوگا اس کا ترجمہ "ناروا نفع" کرکے اس کے معنی کو تغیر تبدل کے قالب ڈھال دیا گیا (خروج ۲۲-۲۵-۲۶) اور اسی سے انٹرسٹ یعنی سودی منافع اور یوژری یعنی بیاج کی اِصطلاحیں نمودار ہوئیں اور پہلے تو جائز اور دوسرے کو حرام ٹھرایا گیا حالانکہ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے اِن دونوں میں فرق نقصان کی کمی اور بیشی کا ہے نقصان اور عدم نقصان کا نہیں ہے۔

اسی طرح شخصی مہاجنی قرضہ پر سود کو فن کی حیثیت سے ناجائز بتانا اور چند اشخاص کی مجموعی کاروباری شکل کو جس کا نام سترہویں صدی کے شروع سے بینکنگ سسٹم پڑا ہے جائز کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ چوری تو ناجائز ہے مگر ڈاکہ جائز ہے یعنی ایک جرم تنہا ایک آدمی کرے تو وہ تو ناجائز اور سوسائٹی کے لئے مضر ہے مگر جب اس جرم کو سازش کرکے چند آدمی ملکر کریں تو وہ جائز ہوجائیگا۔

اِس سلسلہ میں مصنف نے اِنٹرسٹ یا محدود سودی منافع کے نظریہ جواز پر بڑی دلچسپ بحث کی ہے اور خود محدود منافع کی حد بندی کی تاریخ سے حد بندی کے معیار کو حد درجہ متغیر اور بے اُصولانہ بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر ملک بلکہ خود ہندوستان اور اس کے مختلف صوبوں نے اِس حد بندی کے معیار کی تعین میں کسی ایک متعین اُصول کی پابندی نہیں کیگئی ہے اِس لئے محدود منافع کی حقیقت خود ہی مشتبہ ہے۔

مصنف نے اسلامی نظریات کی جو تشریح کی ہے اور جو آیات و احادیث و فقہی مسائل و دلائل پیش کئے ہیں چونکہ وہ مستند علماء کی امداد اور مشورہ سے پیش کئے ہیں اس لئے ان کے استناد اور اعتبار میں کیا کلام ہو سکتا ہے اور میں نے بھی اُن کو دیکھا ہے اور درست پایا ہے۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق سود سے کبھی بھی کوئی قومی فلاح یا دنیاوی بہبود پیدا نہیں ہو سکتی قرآنِ پاک کا فیصلہ ہے۔

ان اللہ یمحق الربا و یربی الصدقات۔

بیشک اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سودی کاروبار سے ملک کی دولت میں ترقی ہوتی ہے لیکن یہ محض فریب نظر اور دھوکہ ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مہاجنی قرضہ کے سود سے ملک کے صرف چند اشخاص کی دولت بڑھتی اور سارے اہل ملک کی دولت گھٹتی تھی اب بینکنگ اور کواپریٹو سوسائیٹی کے سسٹم میں چند اشخاص کے بجائے سینکڑوں اشخاص کی دولت کو ترقی ہوتی ہے مگر اس کے مقابلہ میں لاکھوں کی دولت کم ہوتی ہے تب اُن سینکڑوں کی دولت بڑھتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سود کو جس حیثیت سے بھی رواج دیا جائے وہ اپنی تباہی پھیلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دیہاتی اتحادی بینک (کواپریٹو بنک) کے رواج اور فوائد و برکات پر آجکل بہت زور دیا جاتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ شرح سود کی نسبتہً کمی اور طریق وصول کی نسبتہً آسانی کی بنا پر کاشتکاروں کے لئے شرح مہاجنی سودی قرضوں کے مقابلہ میں وہ رحمت ہے،

لیکن اُس کے اندر بھی سوسائٹی کے بڑے زمیندار چھوٹے زمینداروں کو بے تکلف ہڑپ کرتے جاتے ہیں بلکہ کاشتکاروں کو اپنی زمینوں کو بیچنے کے لئے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔

قرض انسان کی ایک ضروری حاجت ہے اِس حاجت کا دفیعہ اسلام نے قانون کے بجائے اخلاق سے کیا ہے اس نے ضرورت مندوں کو قرض دینا ثواب کا کام بتایا ہے اور اس قرض پر مقروض سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا سود قرار دیا ہے۔ اہل تقویٰ نے تو اِس باب میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ مقروض کے یہاں دعوت کا قبول کرنا بھی مشتبہ بتایا جاتا ہے بلکہ لوگوں کو ہدیہ اِس غرض سے دینا بھی کہ اُن سے کچھ زیادہ وصولی کا موقع ملے ربا کے اندر شامل کیا ہے اسی طرح اِسلام نے ہمجنس اشیاء کے تبادلہ میں زیادتی کو اگرچہ دونوں میں اچھائی اور برائی کا فرق ہو مشابہ ربا قرار دیا ہے گو اس زیادتی اور جنس کی حقیقت اور اس کے قیود و شروط میں فقہائے مجتہدین کے اختلافات ہیں تاہم اصل حقیقت پر سب کا اتفاق ہے اِسی طرح سونا چاندی کے مبادلہ میں اگر جنس ایک ہے تو زیادتی ہے۔ اور زیادتی اِسلام میں ربا ہے اس سے سکون کی کم و بیش شرح مبادلہ کا وہ ظالمانہ دستور جو آج ساری دنیا میں شائع ہے اور جس کے بدولت یورپ میں ہزاروں آدمی گھر بیٹھے بنتے اور بگڑتے ہیں۔ وہ تمامتر اِسلام میں ناجائز ہے اِسلام میں چاندی اور سونے کی اصلی حیثیت صرف نقد کی تسلیم کی گئی ہے۔ اسی لئے اس کو سامان آرائش میں صرف

کرنے کی اجازت حدمناسب سے آگے نہیں دی ہے مردوں کے لئے چاندی کے چند ماشوں کے علاوہ خالص چاندی کا ہر استعمال قطعاً حرام ہے اور عورتوں کے لئے حدمناسب سے افراط کو کراہت کے درجہ میں بہرحال رکھا ہے سونے اور چاندی کے ظروف اور سامان کے استعمال کی قطعی حرمت ہے اگر دنیا اِن اصولوں پر عمل کرے تو آج کسی ایک ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں ضروری کاموں کے لئے نقدی کی کتنی فراوانی ہو سکتی ہے۔

اِسی اُصول کی بنا پر سونے چاندی کو خزانہ بنا کر زمین میں گاڑ کر یا بے وجہ روک کر رکھنا گناہِ عظیم ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔

اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے سو اُن کو دُکھ والی مار کی خوشخبری سُنا دے۔

وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ۔

پھٹکار ہو ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے پر جس نے مال کو اکٹھا کیا اور گن گن رکھا۔ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُس کو سدا رہے گا۔

(ہمزہ)

اِسی اُصول کی بنا پر احتکار جو مناپولی کی بنیاد ہے اسلام کے قانون میں ممنوع ہے کیونکہ اس سے عام ضرورت کی کوئی خاص چیز کسی ایک

شخص کے قبضہ میں آکر رک جاتی ہے۔

اِنسان کا ضرورت کے سبب سے مقروض ہونا واقعۃً کم ہوتا ہے۔ قرض کا سبب زیادہ تر عیاشانہ فضول خرچی ہوتی ہے اس کی پہلی رُوک یہ ہے کہ سونا چاندی اور سونے چاندی کی چیزوں کی اُدھار خرید و فروخت کی ممانعت کر دی گئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بے ضرورت عیاشانہ سامان وہی خریدیگا جس کے پاس زائد از ضرورت روپیہ ہوگا۔

اِسی طرح نقرئی و طلائی اشیاء میں صنعت کاری کی قیمت کا اِعتبار اس نے نہیں کیا ہے گو بعض فقہاء کو اس میں اِختلاف ہے تاہم اس حد تک اتنا ضروری ہے کہ نقرئی و طلائی اشیاء میں صنعت کاری کی قیمت یا اُجرت کی ہمت افزائی اِسلام نے نہیں کی ہے۔ اس کا منشاء اس آرٹ کی مخالفت نہیں بلکہ طلائی و نقرئی اشیاء کے عدم اِستعمال کی صورت پیدا کرتا ہے جو اسی صنعت کاری ہی کی بدولت قابل اِستعمال ہوتی ہیں۔

اِسراف اور فضول خرچی کو قرآن پاک نے شیطان کا فعل قرار دیا ہے اور اس کا سبب بھی بتا دیا ہے کہ مسرف اور فضول خرچ سوسائیٹی کے لئے وبال بن جاتا ہے اور یہی آخر مجرم بنکر جرائم کے مرتکب بنتا ہے۔

دوسری طرف بخل اُس نے قیامت کے دن گردن کا طوق بنا دیا۔

کیونکہ اِس کا وجود بھی سوسائیٹی کے لئے نحوست ہے کہ اُس کی دولت مخلوق کے کام نہیں آتی۔

ضرورت مند کو قرض دینا اُس نے ثواب کا بہترین عمل بتایا ہے لیکن جو لوگ قرض لیکر استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں دیر کریں اُن کو ظالم خطاب دیا ہے اور کہا ہے کہ جو لوگ بے قرض ادا کئے مرجائیں ان کے ترکہ میں سب سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری قرار دیا اور قرض ادا کئے بغیر مرجائیں تو ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے میں بھی تامل کیا گیا ہے۔

اِسلام نے ضروری قرض کے لئے خود حکومت کو بلا سود قرض دینے کے اِنتظام کی اِجازت دی ہے چنانچہ خلافت راشدہ میں بیت المال سے قرض لیا جاتا تھا جس کی اَدائیگی اگر ان کی زندگی میں نہ ہوئی تو انکی متروکہ جائداد اور دولت سے اس کی وصولی متوفی کی وصیّت کے مطابق عمل میں آتی اور اگر وصیّت نہ بھی ہوتی تو بھی متروکہ سامان سے تقسیم ترکہ سے پہلے قرض ادا کر دیا جاتا۔

تجارتی مالی تعاون کے لئے اِسلام نے جس طریقہ کو پسند کیا ہے وہ مضاربت ہے یعنی اہلِ سرمایہ سرمایہ دیں اور کام کرنے والے اپنی محنت شامل کریں اور اس طرح سرمایہ اور محنت ملکر جو نفع حاصل ہو اُس کی تقسیم بحصہ مشاع قرارداد کے مطابق کی جائے جس کے قواعد اور قوانین کتب فقہ میں موجود ہیں۔

اگر کوئی چاہے تو بینک کو اِسلامی سسٹم کے مطابق قایم کیا جاسکتا ہے بینک اس کے مقصد یہ ایک خزانہ ہے جس میں بہت سے لوگوں کے رقوم جمع ہوسکیں اُن کی دو قسمیں کیجاسکتی ہیں ایک کا نام امانتی رکھا جائے۔

اس کی دو شاخیں ہوں۔

۱۔ امانت خالصہ یعنی ایسی امانت جس کو بعینہٖ محفوظ رکھا جانا مشروط ہو۔

اس امانت کی حفاظت اور انتظام کا خرچ امانت رکھوانے والوں سے وصول کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ امانت باجازت یعنی ایسی امانت جس میں تصرف کا اختیار بنک کو دیا جائے مگر مطالبہ کے وقت بلا زیادتی و کمی اس کا بدل لیا اور دیا جائے۔

تیسری قسم ایسی رقوم کی ہو گی جس کے جمع کرنے والے مدت معینہ کیلئے اپنی رقم بنک کے حوالے کریں۔ بنک ان رقوم کو مختلف تجارتی صیغوں میں خود لگائے یا دوسری تجارت گاہوں کو بطور مضاربت دے اور منافع کو مالکانِ رقوم اور کام کرنیوالوں میں بحصہ مشاع تقسیم کرے۔

"حصہ مشاع" سے مقصود یہ ہے کہ عدد معین جیسے تین فیصدی، چار فیصدی کے بجائے حصہ متعین مقرر کیا جائے مثلاً تہائی، چوتھائی، پانچواں، چھٹا وغیرہ جس کا اطلاق کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ ہر مقدار پر کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ان رقموں کا کوئی حصہ قرض یا منافع پر نہیں لگایا جا سکتا البتہ قرض یا رہن پر دیا جا سکتا ہے گو اس شئے مرہون سے انتفاع اور شروط انتفاع میں فقہا کا اختلاف ہے مگر اس اختلاف کی تفصیلات کو حل کیا جا سکتا ہے لیکن فقہ حنفی و شافعی میں اس کی گنجائش کم نکل سکتی ہے۔

ہم کو امید ہے کہ یہ کتاب ایک طرف مسلمانوں میں اور دوسری طرف

ماہرینِ اقتصادیات میں قبولیت کی نظر سے دیکھی جائے گی اور مسئلہ حرمت ربا کی اہمیت کو سمجھکر اُس کی تباہی سے دنیا کو بچانے کی فکر کی جائیگی اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس عمل خیر کی جزائے خیر دے۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۲ ہجری

سید سلیمان ندوی
شبلی اکیڈمی۔ اعظم گڈھ

پہلا باب

سود کے مغربی نظریئے

صفر شرح سود کا امکان

تیرہ سو ساٹھ برس تک تاریکی میں بھٹکنے کے بعد دُنیا آج یہ محسوس کر رہی ہے کہ شرح سود صفر کے قریب ہو سکتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایک ایسے سرمایہ دارانہ معاشرے کا تصوّر ممکن ہے جس میں سود ادا نہیں کیا جائے گا یا زیادہ کھلے الفاظ میں سرمایہ دارانہ معاشرے کا وجود بغیر سود کے بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہ امکان روز بروز حقیقت سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم (۱۸-۱۹۱۴) کے دوران میں حکومتِ ہند ساڑھے چھ فی صد سالانہ شرح پر قرضہ حاصل کر رہی تھی

له "زر اور مالیات" پر ریزرو بینک آف انڈیا کی رپورٹ ۴۲-۱۹۴۱ء

حالیہ جنگ (۴۵-۱۹۳۹) میں حکومت حیدرآباد کے لئے ڈھائی فی صد سالانہ شرح سود پر قرض حاصل کرنا نہایت سہل تھا۔ ریزرو بنک کی سرکاری شرح بڈہ جنگ سے قبل ساڑھے تین فی صد تھی اور جنگ کے اخیر تک یہی شرح رہی حکومتِ ہند کی نگرانی کے باعث سرکاری تمسکات کی قیمتیں غیر معمولی طور پر یکساں اور مستحکم رہی ہیں[۱]۔ ممالک متحدہ امریکہ میں فیڈرل ریزرو بینک کی شرح بٹہ ایک فی صد سالانہ ہے[۲]۔ حکومتِ ہند ایک فی صد سالانہ سے کم شرح سود پر ٹریزری بلز جاری کر رہی ہے۔ بنکوں کے باہمی عند الطلب۔ قرضوں کی شرح سود محض برائے نام یعنی ½ فی صد سالانہ ہے[۳]۔

سیدھے سادے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ قلیل مدت کے لئے نہ صرف ½ فی صد شرح سود سالانہ پر روپیہ قرض لیا جا سکتا ہے بلکہ فی الحقیقت لیا جا رہا ہے۔ انگلستان میں بینک کے چالو کھاتے پر کوئی سود نہیں ادا کیا جاتا۔ سود کی ان ادنیٰ شرحوں کے باوجود پس اندازی متاثر نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے برخلاف اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ہمارا یہ ایقان ہے کہ اگر روپے کے محفوظ ہونے کے متعلق کافی ضمانت دی جا سکے تو بغیر کسی سود کے بھی روپیہ قرض لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ حکومت خاطر خواہ نگرانی

---

[۱] رکن مالیات کی موازنے والی تقریر سنہ ۴۱-۱۹۴۰ء

[۲] ممالک متحدہ امریکہ کے فیڈرل ریزرو بینک کا اعلامیہ

[۳] کرنسی رپورٹ سنہ ۴۲-۱۹۴۱ء۔

قایم رکھے۔ اگر ممالک متحدہ امریکہ میں حکومت اپنی نگرانی کے ذریعے موجودہ جنگ کے دوران میں سود کو یک فی صد تک گھٹا سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ ہمارے اس خیال کو محض خوش عقیدگی پر محمول کریں کہ امن کے زمانے میں شرح سود کو صفر یا صفر کے قریب تک گھٹایا جاسکتا ہے۔

سود کی اسلامی تعریف

سود کے موضوع پر عربی۔ فارسی۔ اردو اور دوسری زبانوں میں بکثرت مواد موجود ہے فقہاین یا اسلامی مقننین نے یہ واضح کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا ہے کہ کیا سود ہے اور کیا سود نہیں ہے۔ موجودہ مقالے میں ہمیں اس قسم کے مواد سے کوئی سروکار نہیں بلکہ ہمارا حقیقی مقصد تو یہ واضح کرنا ہے کہ آج سے تیرہ سو ساٹھ سال قبل اسلام نے سود کو ممنوع قرار دے کر معاشی اقدام کیا تھا وہ کسقدر مستحسن تھا نیز میری غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ معاشرہ جن خرابیوں کا شکار ہے وہ بیشتر سود کا ہی نتیجہ ہیں۔ ایسے حضرات جو کہ جدید نظری معاشیات کی پیچیدگیوں اور الجھاؤ سے اچھے طور پر واقف نہیں ہیں اس موہوم مغالطے میں مبتلا ہیں کہ معاشیین کے مابین سود کے موضوع پر کامل اتفاق رائے ہے۔ لیکن یہ تصور حقیقت سے بہت دور ہے ہم سود کے مختلف نظریوں پر بحث کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اختلافات کی یہ خلیج کس قدر وسیع۔ علاوہ بریں اس امر کی متفقہ طور پر اب تک کوئی تشریح نہیں کی جاسکی ہے کہ آخر سود کیوں ادا کیا جائے اور شرح سود کا تعین کیونکر ہوتا ہے۔

معاشیین کے مابین شرح سود کے بارے میں اختلاف رائے

"ایک عرصے سے سود کا نظریہ علم معاشیات کی دکھتی رگ بنا ہوا ہے اور اب بھی شرح سود کی تشریح و تعین کے بارے میں معاشیین کے مابین جس قدر اختلاف رائے موجود ہے۔ اتنا عام نظری معاشیات کے کسی دوسرے شعبے میں نہیں[۵]"

گذشتہ عالمگیر کساد بازاری کے دوران میں ایسی مطبوعات کا ایک سیلاب سا آگیا تھا جن میں کساد بازاری کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس ضمن میں چونکہ قرض اور زر کے اسباب کو نمایاں اہمیت دی گئی تھی اسلئے نظریہ سود پر بھی تجسسانہ تنقید کی جانے لگی۔ اس کثیر مواد کے باوجود سود کا کوئی ایسا تشفی بخش نظریہ پیش نہیں کیا جا سکا ہے جس سے اس کی ابتدا اس کی بناء اور اس کی شرح کی تشریح ہو سکتی ہو اور جس پر کامل اتفاق رائے موجود ہو۔

زائد از ضرورت عقلیت پسندی۔

قبل اس کے کہ ہم سود کے مختلف مغربی نظریوں کی جانب متوجہ ہوں ہم یہہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے قارئین کو ایک خاص حقیقت کے بارے میں متنبہ کر دیں۔ وہ یہ کہ اسلامی ممالک میں

---

۵ دیکھو مجلس اقوام کی شائع کردہ مشہور کتاب "گرم بازاری اور سرد بازاری" از ہابرلر صفحہ ۱۹۵۔

ایک ایسا گروہ موجود ہے جو اس عقیدہ کے تحت کہ اسلام ایک عقلی مذہب ہے اسلامی نظریوں اور جدید طریقوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی سعی کرتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر سرمایہ دارانہ معیشت کے عروج کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ جدید معاشرے کا وجود سود کے بغیر ہرگز ممکن نہیں اور اسلام نے بھی فی الحقیقت سود کو ممنوع نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس نے ربا کی ممانعت کی ہے۔ ہم ایسی غیر مستند تاویلات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ ذاتی طور پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ سود کے خلاف قرآن مجید کی شدید مخالفت کی موجودگی میں اس قسم کے لوگوں نے جو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مذہب اسلام نے سود کی مخالفت نہیں کی بلکہ ربا پر امتناع عائد کیا ہے اسلامی نصب العین کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ سود اور ربا ایسے الفاظ ہیں جو نہایت آسانی سے ایک دوسرے میں گم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ آج سود کی جو شرح معقول معلوم ہوتی ہے اُس کا شمار ممکن ہے کل ربا میں ہونے لگے۔ گذشتہ جنگِ عظیم کے بعد یورپ کے بعض مرکزی بینک آٹھ یا نو فی صد کی شرح سے سود وصول کر رہے تھے اور یہ ایسی شرح ہے جسے آج ہندوستان جیسے پسماندہ ملک کے بعض صوبوں میں بھی یقیناً ربا تصور کیا جائے گا۔[1]

ہمارا خیال ہے کہ اگر قرآنی اُصولوں اور جدید سائنٹفک نظریوں میں

---

[1] زر اور بینکاری کے موضوع پر یادداشت مجلس اقوام۔

تضاد اور تفاوت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم مضطرب ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ آج ہم جسے سائنس کہتے ہیں اُسے کل داستانِ پارینہ تصور کرنے لگیں یا ممکن ہے کہ قرآنی احکام کی حکمت و اہمیت کو ہم آج نہ سمجھ سکیں لیکن کل یہ ہم پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائیں۔

معاشی بحران اور نظریہ سود میں روز افزوں دلچسپی۔

۱۹۲۹ء میں وال اسٹریٹ کی تباہی کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کی عمارت شدید طور پر متزلزل ہو گئی۔ اس معاشی زلزلے نے بہت سے معاشی مفکرین کو اس مسئلے کی جانب متوجہ کر دیا کہ سرمایہ دارانہ معیشت کس حد تک معقول بنیادوں پر قائم ہے؟ علم معاشیات نسبتاً ایک جدید علم ہے اور اس کے بہت سے نظریوں کو مکمل کرنے کے لئے ہنوز بہت کچھ مساعی درکار ہیں لیکن عہد حاضر میں سب سے زیادہ جس مسئلے نے معاشیین کو حیران کیا ہے وہ تجارتی چکر[1] کا مسئلہ ہے چنانچہ ان کی تشریح کے سلسلے میں

---

[1] گزشتہ سو سال کی معاشی تاریخ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلسل کچھ عرصے کے بعد قیمتوں میں چڑھاؤ اتراؤ ہوتا رہتا ہے۔ کبھی تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کاروبار خوب ترقی پر ہے، روزگار عام ہے، قیمتیں بڑھی ہوئی ہیں۔ اس زمانے کو اصطلاحی زبان میں گرم بازاری یا خوشحالی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ قیمتوں میں کمی ہونی شروع ہوتی ہے اس کے ساتھ بیکاری بڑھنے لگتی ہے جس سے معاشرے کی حالت اَبتر ہو جاتی ہے۔ اسے سرد بازاری یا کساد بازاری کا زمانہ کہتے ہیں

جو نظریئے منظر عام پر آئے ہیں وہ ابتک اپنی ابتدائی منزل کو طے نہیں کر سکے ہیں تجارتی چکر کی تشریح کے سلسلے میں سود کے نظریئے بھی روز افزوں توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں. چنانچہ اس میدان میں اسلام کا حصہ حد درجے عالمانہ اور بصیرت افروز ہے اور اس سے تجارتی چکروں کی تشفی بخش اور کامل توضیح ہوتی ہے. سود کے نظریئے کو ایک جداگانہ موضوع فکر تصور کرنے اور

ملاحظہ ہو بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ - چونکہ کاروبار میں یہ صورت حال باضابطہ ایک چکر کی صورت میں رونما ہوتی رہتی ہے اس لئے اُسے تجارتی چکر بھی کہا جاتا ہے۔ اس مسئلہ پر علم معاشیات میں گزشتہ دس بارہ سال سے بہت زیادہ دلچسپی لی جارہی ہے۔ ہنوز یہ ابھی تک تشنہ ہے اور موجودہ معاشیات کے مسائل میں اس نے نہایت ہی اہم صورت اختیار کر لی ہے۔ ملک کے بہترین دماغ اس پر سوچ بچار کر رہے ہیں۔ تجارتی چکر کے بہت سے اسباب بتلائے جاتے ہیں جس پر یہاں بحث ممکن نہیں۔ یہ مضمون بذات خود ایک علیحدہ کتاب چاہتا ہے۔ یہاں ہم صرف یہ ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ تجارتی چکر کا بہت قریبی تعلق شرح سود اور سٹے بازی سے ہے۔ اگر دنیا کو سود کے بندھنوں سے آزاد کر دیا جائے سٹے بازی کی شدت سے ممانعت کر دی جائے اور صرف حاضر مال فروخت کرنے کی اجازت ہو تو دنیا بڑی حد تک تجارتی چکر کے تباہ کن اثرات سے بچ سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سٹہ بازی کی سخت ممانعت کی ہے۔

اس کے جو اثرات معاشرے پر مترتب ہوتے ہیں ان سے چشم پوشی کے باعث معاشیات میں شدید غلط فہمیاں اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر بھی اسلام نے حقیقی معنوں میں ہماری رہبری کی ہے۔ ایسے لوگوں کی خاطر جن کی آنکھیں مغربی علم و فکر کی جھوٹی چمک سے خیرہ ہو گئی ہیں اور جو سود اور تجارتی چکر کے موضوع پر اسلامی نظریے کا مذاق اڑاتے ہیں میں سود کے مختلف نظریوں کو تاریخی رنگ میں پیش کروں گا یعنی پہلے غیر اسلامی نظریوں کی ابتداء و ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے ان کے تضاد اور اَدھورے پن کو واضح کریں۔ مغربی نظریوں پر کافی تنقید کے بعد میں سود کا اسلامی نظریہ پیش کر کے یہ ثابت کیا جائے گا کہ کس طرح یہ تمام موجودہ نظریوں سے زیادہ معقول، درست اور تشفی بخش ہے۔

سود کے ابتدائی نظریے

ابتدائی تاریخی تحریریں اس امر کی شاہد ہیں کہ بڑے بڑے مفکرین نے سود کے لین دین کی ممانعت کی ہے۔ ہمارے پیش نظر ایسے ابتدائی تمدن نہیں ہیں جہاں سود اس بناء پر ممنوع تھا کہ قرض زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے لیا جاتا تھا اور ایسے ضرورت مندوں سے سود لینا ظلم محسوس ہوتا تھا۔

سود کے یونانی نظریے

ایک ایسی قوم کی مثال لے لیجئے جو تمدنی اعتبار سے نہایت اعلیٰ و ارفع تھی یعنی اہل یونان۔ اُنھوں نے سود پر قرض دینے کی قطعاً ممانعت کر رکھی تھی۔

اَرسطو نے جس کے خیالات سے آیندہ نسلیں متاثر ہوئیں سود کے لین دین کی نہایت سختی سے مخالفت کی۔ اس نے زر کو ایک کڑک مرغی سے تشبیہ دی اور کہا کہ زر کا واحد مقصد مبادلے میں سہولت پیدا کرنا اور انسانی اِحتیاجات کی کامل تشفی کرنا ہے۔ چنانچہ زر کا یہی سب سے زیادہ موزوں اور فطری مصرف ہے۔ زر کو اِضافے کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔ ایسی صورت میں سود کے لین دین کے ذریعہ سرمایہ میں اِضافہ اِنتہائی غیر فطری حرکت تھی۔ ایک روپئے میں دوسرے روپئے کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور اس لئے سود سراسر بے اِنصافی پر مبنی ہے۔[ث] یہ تھا ارسطو کا عقیدہ۔ افلاطون نے بھی سود کی مذمت کی۔[ث]

اہلِ روما کے سود کے نظریئے

اِبتدائی دور میں سلطنت روما میں سود پر اِمتناع عائد تھا لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کی توسیع اور تجارت پیشہ طبقہ کے عروج کے ساتھ ساتھ سودی کاروبار بھی شروع ہو گیا۔ ابتداءً اسے کلیتہً روکنے کی کوششیں کی گئی لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر اس بات کی کوشش کی گئی کہ شرح سود کو ایک مقررہ حد سے بڑھنے نہ دیا جائے۔ سود کی شرحوں پر شدید ترین پابندیاں عائد تھیں چنانچہ اہل روما سب سے پہلی قوم تھے جس نے

ثہ "سیاسیات" از ارسطو جزو اول دسواں باب

ثہ "قوانین" از افلاطون پانچواں جز

قرضداروں کے تحفظ کے لئے آئین اور قوانین نافذ کئے۔[۱۰]

سود قرون وسطیٰ میں

قرونِ وسطیٰ میں سود کی ادائیگی ربا متصور ہوتی تھی۔ اور قانونی طور پر اسکی ممانعت تھی۔ اِس قسم کی پابندیوں کو محض مذہبی رنگ میں پیش کرنے کا آج کل کچھ رواج سا ہو گیا ہے چنانچہ پروفیسر ٹانی جیسا صحیح الفکر مصنف رقم طراز ہے ''قرون وسطیٰ کے سارے نظام فکر کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ معاشی مسائل کو ایک ایسے دینی نظام کی جزو کے حیثیت سے پیش کیا جائے جس میں ہر نوع کا مفاد اور جد و جہد شامل ہو۔ اور جس کی بنیاد مذہب پر قایم ہو[۱۱] لیکن یہاں یہ سوال بیجا نہ ہوگا کہ کیا قرونِ وسطیٰ کے مفکرین مختلف امور کی نوعیت کے متعلق آئندہ نسلوں کی نسبت بہتر واقفیت نہ رکھتے تھے؟

اِس سلسلے میں لارڈ کینس کے مندرجہ ذیل فقرے قابل توجہ ہیں کہ قرونِ وسطیٰ میں ربا پر جو پابندی عائد تھی اس کی تہ میں معاشی تحریکات پوشیدہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں " مجھے ہمیشہ یہ تلقین کی گئی کہ قرونِ وسطیٰ کے کلیسا کا رویہ شرح سود کے بارے میں اساسی طور پر مضحکہ خیز تھا۔ نیز زر کی شکل میں قرضوں اور حقیقی شغل اصل سے آمدنی کے درمیان اِمتیاز قایم کرنے کے لئے جو پُر فریب مباحث ہوتے تھے اُن کا حقیقی مقصد ایک

[۱۰] معاشی تخیل کی تاریخ از پروفیسر ہینے۔

[۱۱] مذہب اور سرمایہ دارانہ نظام کا عروج صفحہ ۱۴۵۔ از پروفیسر ٹانی۔

حماقت آمیز نظریئے سے نجات حاصل کرنا تھا۔ لیکن اب میں ان مباحث کو محض اس لئے پڑھتا ہوں کہ ذہنی طور پر شرح سود اور اصل کی کارکردگی[1] کے درمیان تمیز کر سکوں جنھیں استادی نظریوں میں خلط ملط کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب یہ چیز واضح ہو چکی ہے کہ قرون وسطیٰ کے مفکرین کے ان خیالات کی غایت یہ

---

[1] اصل کی اختتامی کی کارکردگی کی اصطلاح کو لارڈ کینز نے اپنی مشہور عالم کتاب "سود، زر اور روزگار کا عام نظریہ" میں بہت وضاحت سے پیش کیا ہے۔ عام فہم الفاظ میں اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار کو کچھ اس طور سے ترقی دیجائے کہ اُن میں زیادہ سے زیادہ راس لگایا جا سکے اور معاشرے کو اس سے فائدہ پہنچے اگر سود کی شرح گراں ہو تو بہت سے ایسے کاروبار جو ویسے تو معاشرے کے لئے بہت مفید اور کارآمد ہوتے ہیں لیکن ان سے راست طور پر اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ مقررہ شرح سود ادا کی جا سکے۔ لہذا ایسے کاروبار جاری نہیں کئے جاتے۔ مثلاً اگر نہریں جاری کرنے سے بالراست تین فیصد منافع ہو اور ملک میں کافی غلّہ پیدا کر کے ملک کی معاشی مرفہ الحالی میں اضافہ کیا جا سکے۔ لیکن اگر شرح سود چار فیصد ہو تو ظاہر ہے کہ نہریں کھودنا جاہر بہت نقصان دہ سودا ہے اور اس میں اصل نہیں لگایا جا سکیگا۔ پہلی صورت میں اصل کی اختتامی کارکردگی چار فیصد ہے اگر اس کی اختتامی کارکردگی کو گھٹا کر چار فیصد کی بجائے دو فیصد کر دیا جائے تو نہ صرف بہت سی نہریں جاری ہو جائیں گی بلکہ کئی اور کاروبار بھی جاری ہو سکیں گے۔

تھی۔ کہ ایک طرف اصل کی اختتامی کارکردگی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے تو دوسری طرف قاعدے، رواج اور اخلاقی قانون کی مدد سے شرح سود پر قابو رکھا جائے[۱۲]

تیرھویں صدی تک کلیسا کا اقتدار ترقی پذیر تھا۔ اور سود کے لین دین کی مخالفت تھی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ زمین اور بعض دوسری دیرپا اشیاء کے استعمال کے معاوضہ کی اجازت ہے معاشی اصطلاح میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ عیسائیت میں سود تو ممنوع ہے لیکن لگان اور منافع جائز ہے۔ اسلام کا زاویہ نگاہ بھی یہی ہے۔

کلیسائی اثر کا زوال تیرہویں صدی کے آخر تک بہت سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے جنھوں نے کلیسا کے اثر کو روبہ انحطاط کر دیا۔ مذہبی مصلحین کے طبقے نے جس کے قائد لوتھر اور زونگلی تھے فطرت انسانی کی کمزوری کے عذر پر سود کے لین دین کو جائز قرار دیا کلیسائی اقتدار کے انحطاط اور دنیاوی قوت کے عروج کے ساتھ ساتھ سود کے لین دین کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ چنانچہ بیکن کے مندرجہ الفاظ سے اس روادارانہ مسلک کا اندازہ ہو سکتا ہے "چونکہ لوگوں کو قرض کے لین دین کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگ اپنی سنگدلی کے باعث بلا سود قرض دینے پر رضامند نہیں ہوتے اس لئے سود کے لین دین کی اجازت ہونی چاہیے"[۱۳]

---

[۱۲] "سود زر اور روزگار کا عام نظریہ" صفحہ ۳۵۱ تا ۳۵۲۔ از لارڈ کینس

[۱۳] "سوجا کے موضوع پر مضمون" از بیکن۔

اس کے باعث طمع اور ہوس کا دور دورہ ہو گیا اور حالات بد سے بدتر ہونے لگے۔

رفتہ رفتہ ربا پر سے دوبارہ امتناعات برخاست کئے جانے لگے۔ چنانچہ ہنری ہشتم کے عہد حکومت ۱۵۴۵ء میں انگلستان میں بھی سود کے لین دین پر سے پابندی اٹھا دی گئی۔ اور یہی وہ زمانہ تھا جبکہ آہستہ آہستہ لفظ سود لفظ ربا کی جگہ لینے لگا۔ اس طرح گویا سود سے مراد قرض کے عوض معقول شرح سے معاوضے کا حصول تھا۔ اس زمانے میں اس کی بھی کوشش کی گئی کہ سود کی بیشترین شرح کا بھی تعین کیا جائے۔ ہنری ہشتم کے عہد حکومت میں بیشترین شرح دس فی صد تھی۔ چنانچہ اس دور کی اہم شخصیتیں مثلاً فرانسس بیکن، سر جوشیا چائلڈ اور سر ٹامس کلیوپیپر سود کے لین دین کے اتنے مخالف نہیں تھے جتنے کہ بھاری شرح سود کے۔[1]

تجاریین کے دور یعنی ۱۵۰۰ء سے ۱۷۰۰ء تک سود کے نظریئے

ایک عرصہ تک انسان کی خود غرضانہ محرکات اور ظالمانہ جذبات کو مذہب کے ذریعے قابو میں رکھا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ کلیسائی اقتدار کے زوال کے ساتھ ساتھ انسان مذہب کی زنجیروں سے آزاد ہو کر خود غرضانہ طرز عمل پر دلیر ہو گیا۔ جب ایک مرتبہ سود کے لین دین پر سے پابندی ہٹائی گئی تو پھر شرح سود کو بھی معینہ حدود کے اندر رکھنا

---

[1] معاشی تخیل کی تاریخ از پروفیسر ہینے۔

انسان کے بس میں نہ رہا۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ تجارتی کاروبار کے لئے سرمایہ بڑے پیمانہ پر استعمال ہونے لگا۔ بدلِ اشیاء کی جگہ زر کا استعمال ہونے لگا۔ ایسی حالت میں جبکہ تجارتیین کے دور میں قومی مسلک ہی یہ تھا کہ خزانے اور روپئے کو جمع کیا جائے بیش بہا دھاتوں کے ذخیرہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا۔

چونکہ تجاریین زر اور اصل کو یکساں خیال کرتے تھے اس لئے ان مملکتوں کے مسلک کی انتہائی غایت یہ ہوتی تھی کہ سونا چاندی زیادہ سے زیادہ مقدار میں جمع ہو جائے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک، زر بھی زمین کی مثل ایک عامل پیدائش تھا۔ البتہ فرق اتنا تھا کہ زر کو مصنوعی دولت، اور زمین کو قدرتی دولت تصور کیا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود عام عقیدہ یہ تھا کہ جس طرح زمین کے استعمال کے معاوضے میں لگان ادا کیا جاتا ہے بعینہٖ اسی طرح اصل کے استعمال کے عوض سود کی ادائی عمل میں آتی ہے[۱۵]۔"

ابتدائی تجاریین نے سود کی ادنیٰ شرح اور اس کے قانونی تعین کی تائید کی۔

۱۶۶۸ء میں اس موضوع پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا مس من کے تصورات کے خلاف سر ٹامس کلو پیپر نے دو رسالے لکھے تھے جن میں ادنیٰ شرح سود کی پُرزور الفاظ میں تائید کی تھی۔ اسی طرح اس کے بیٹے نے بھی ایک مضمون شائع کیا۔

---

[۱۵] "تجاریت" از ہیکشر جلد دوم صفحہ ۲۰۰۔

جس میں ربا کی شدید مخالفت کی۔ لیکن اِس خیال کے شائد سب سے زیادہ جوشیلے حامی سرجوشیا چائیلڈ تھے۔ ان کا قول تھا کہ سود کی اَدنیٰ شرح کفایت شعاری اور صنعتی سرگرمی کی سگّی ماں ہوتی ہے اِس لئے کہ اصل کو ارزاں کر کے یہ ایک طرف تاجروں کو دعوت دیتی ہے تو دوسری جانب کم منافع کو لازمی قرار دے کر کفایت شعاری پر مجبور کرتی ہے۔ اعلیٰ شرح سود کا نتیجہ زر کی شکل میں نمودار ہوتا کیونکہ ہر فرد جو کچھ بھی پس انداز کرتا اُسے فوراً صراف کے حوالے کر دیتا۔ اس ساری بحث کا حاصل یہ تھا کہ" اُس وقت تک ہم ہرگز تجارت میں اہل ہالینڈ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ ہماری شرح سود انکی شرح سود کے مساوی نہ ہو جائے[16]" اِسی طرح ڈیوننٹ نے ایسے لوگوں کو نفرین اور ملامت کا نشانہ بنایا جو زیادہ سود وصول کرتے تھے۔

اکثر اشخاص کا یہ خیال تھا کہ ایک ایسا قانون جس سے شرح سود میں تخفیف کی جائے زر کو ارزان کرنے میں موثر ثابت ہوگا۔

دوسری طرف ایسے لوگ بھی موجود تھے جو تھامس من کے زاویہ خیال سے متفق تھے۔ چنانچہ ایک شخص ٹامس مینلے نے یہ لکھا کہ چونکہ ہماری شرح سود کا حقیقی سبب زر کی قلت اور قرض لینے والوں کی اِفراط ہے۔ اِس لئے اگر زر کی مقدار وافر اور قرض کے خواہشمندوں کی

---

[16] دیکھو رسالہ ربا کی اعلیٰ شرح از سر تھامس کلوپیپر۔

تعداد قلیل ہو تو شرح سود میں تخفیف ہو سکے گی۔ جان لاک نے بھی باوجود اس کے کہ وہ زر کی قدر و منزلت کے اسباب سے ناواقف تھا۔ اس خیال کی تائید کی کہ ادنیٰ شرح سود زر کی روز افزوں رسد کا نتیجہ تھی۔ سر ڈڈلے نارتھ نے اسی نظریہ کو منطبق کرتے ہوئے اس خیال کا پرچار کیا کہ ہالینڈ میں ادنیٰ شرح سود کا حقیقی سبب سرمایہ کی کثرت اور ضمانت کا موجود ہونا تھا۔

ان کوششوں کے باوجود تجارین شرح سود کو قابو میں رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور آخر کار شرح سود کو طلب اور رسد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔

سود کا اسنادی نظریہ ضرورت اس کی ہے کہ سود کے اسنادی نظریہ کو ذرا زیادہ تفصیل سے بیان کیا جائے کیونکہ یہ وہ اہم ترین مکتب خیال ہے جس نے معاشیات کی قسمت بنانے میں نمایاں ترین حصہ لیا۔ اور سلطنت برطانیہ کی ساری جامعات میں اس مکتب کے نظریوں کو نہایت ممتاز حیثیت دی جاتی ہے۔ آدم اسمتھ رابرٹ ٹامس مالتھس، اور ڈیوڈ ریکارڈو کو عام طور پر اس مکتب کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ نیز جان اسٹورڈ مل، ایجورتھ مارشل اور پیگو کو بھی اسی مکتب میں شامل کیا جاتا ہے۔ تین موخر الذکر جدید اسنادی مکتب کے نام سے موسوم ہیں

آیئے ہم یہ دیکھیں کہ آدم اسمتھ اور ریکارڈو سود کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سود وہ معاوضہ تھا جو قرضدار، قرضخواہ کو اس منافع

کے عوض ادا کرتا تھا جو اُسے اُس کے روپئے کے استعمال سے حاصل ہوا تھا یہ معاشیین سود اور اصل کے منافع خام کے درمیان حدِ فاصل نہیں قایم کرتے تھے۔ آخر ان کے خیال میں اصل سے مراد تھا کیا؟ آدم اسمتھ یہ اصطلاح کبھی فرد کی ایسی دولت کے لئے استعمال کرتا ہے جسے وہ بجائے اپنے ذاتی صرف کے مزید پیدائش کے لئے استعمال کرتا ہے تاکہ اُسے زر کی شکل میں معاوضہ یا منافع حاصل ہو۔ اس میں مشنری، خام پیداوار، عمارتیں، غذا اور لباس کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ گو غذا اور لباس بحیثیت مجموعی سماج کے نقطۂ نظر سے اصل کی حیثیت نہیں رکھتے لیکن چونکہ فرد انہیں مزدوروں کو ادا کر کے مزید پیدائش کے ذریعے منافع کما سکتا ہے اس لئے یہ اس کے لئے اصل کے مماثل ہیں[۱۷]۔ رکارڈو کے خیالات بھی کم و بیش یہی ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اجتماع اصل[۱۸] فی الحقیقت نتیجہ تھا جز رسی کا اور

---

[۱۷] "دولت اقوام" از آدم اسمتھ شایع شدہ ۱۷۷۶ء۔

[۱۸] لفظ اصل کی شرح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ معاشیات میں اصل سے مراد ہر وہ دولت لیجاتی ہے جس سے مزید دولت پیدا کی جا سکے۔ اگر زیادہ صحت کو ملحوظ رکھا جائے تو لفظ اصل سے مراد وہ مشین اور اوزار ہیں جس سے دوسری چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ وہ روپیہ جو مزدوروں کو اُجرتیں دینے یا خام مال خریدنے کے لئے مختص کر دیا گیا ہو اُسے بھی اصل میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ روپیہ اگر اندوختہ کی صورت میں جمع رکھا جائے تو وہ اصل نہیں کیونکہ وہ محض ذخیرے کا کام دیتا ہے سرمائے کا نہیں۔

جز رسی پر اُس وقت تک عمل نہیں کیا جاتا تاوقیتکہ اس ایثار کے صلے کی توقع نہ ہو۔
اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان دونوں معاشئین کے نزدیک سود وہ معاوضہ
تھا جو بچتوں کے لئے بطور ترغیب ادا کیا جاتا۔ آدم اسمتھ کے خیال میں منافع
کا سبب صرف یہ تھا کہ اصل زر کے استعمال کے باعث پیداوار کی مجموعی قدر میں
اُس کی نسبت اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ صرف محنت کا استعمال ہوتا۔ ریکارڈو
نے سارے اصل کو مجتمع محنت کی حیثیت دی اور قدر کو محض محنت کا نتیجہ قرار
دیا۔ یہی وہ بنیاد تھی جس پر کارل مارکس نے محنت کے "نظریہ استحصال" کی عمارت
تعمیر کی۔ اسمتھ اور ریکارڈو نے سود کی جو تشریح کی ہے وہ محض اُن کے اس تصور
میں مضمر ہے کہ "جب روپئے کے استعمال کے ذریعے آمدنی حاصل کی جاسکتی
ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس استعمال کا صلہ نہ دیا جائے"[۱۹]۔ ڈینیل ہور پہلے ہی
یہ واضح کر چکا تھا کہ شرح سود کا مقدار زر سے کوئی واسطہ نہیں تھا بلکہ مقدار
زر میں اضافے کے باعث قیمتوں میں اضافہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ریکارڈو نے
اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے مقدار زر کا مشہور نظریہ پیش کیا۔

جان اسٹورٹ مل نے سود کے نظرئیے میں کوئی جدید اضافہ نہیں
کیا۔ اُس نے آدم اسمتھ اور ریکارڈو کے نظریوں کی وضاحت کی اور منافع
خام کے مختلف اجزاء کا نہایت عالمانہ انداز میں تجزیہ کیا۔

مارشل نے اس بات پر زور دے کر نظریۂ سود میں ایک اہم اضافہ

---

[۱۹] دیکھو ریکارڈو کی کتاب معاشیات اور محصول اندازی۔

کیا کہ ہمیں شرح سود کے تعین کے سلسلے میں طلب اور رسد دونوں کو
پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ مارشل سے قبل ایک اور نامور عالم معاشیات
ناسو سینیر نے اجتناب کو سود کا سبب قرار دیا تھا۔ اس نظریئے پر جسے ہم
آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے متعدد اعتراضات ہوئے۔ چنانچہ مارشل
نے اجتناب کے بجائے لفظ انتظار کشی استعمال کیا۔ اس کے نزدیک
سود رسد کے پہلو سے نتیجہ ہے اس ایثار یا قربانی کا جو انتظار کشی کے سلسلے
میں برداشت کرنی ہوتی ہے۔ اصل کی طلب کا انحصار اس کی پیدا آوری
مختتم پر ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود کی شرح اس نقطۂ توازن
پر طے ہوتی ہے جس پر اس خاص شرح سود سے اصل کی جملہ طلب اور اسی
خاص شرح سود سے موجودہ اصل کی جملہ رسد میں مساوات پیدا ہو جاتی ہے۔
اس طرح سود کا اسنادی نظریہ جسے مارشل نے بالآخر مکمل کیا یہ ہے
کہ شرح سود اس نقطہ پر معین ہوتی ہے جہاں بچتوں کی طلب و رسد کا
باہمی توازن ہوتا ہے۔ اگر بچتوں کی رسد ان کی طلب سے بڑھ جاتی ہے
تو شرح سود میں تخفیف ہو جاتی ہے اور شغل اصل میں اس وقت تک
اضافہ ہوتا ہے تاوقیتکہ بچتوں اور شغل اصل کے درمیان توازن نہ پیدا
ہو جائے اسی طرح اگر بچتوں کی طلب میں ان کی رسد کے مقابلے میں اضافہ
ہو جائے تو شرح سود بڑھے گی اور شغل اصل میں اس وقت تک

ؔ۲ "اصول معاشیات" از مارشل صفحہ ۵۴۲۔

تخفیف ہوگی تاوقتیکہ بچتوں اور شغل اصل کے درمیان مساوات نہ قایم ہو جائے۔

سود کے استادی نظریئے پر تنقید بچتوں کے متعلق استادی نظریئے کا ایک بنیادی مفروضہ یہ تھا کہ اُن کا انحصار شرح سود پر ہوتا ہے۔ اس مقالے کے شروع میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ شرح سود میں نہایت نمایاں تخفیف کے باوجود بھی نہ صرف بچتوں میں تخفیف نہیں ہوئی ہے بلکہ برخلاف اس کے مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ لارڈ کینس کا یہ اعتراض قطعی طور سے حق بجانب ہے کہ سود فی الحقیقت صرف بچتوں کا معاوضہ نہیں جیسا کہ استادی نظریئے سے واضح ہوتا ہے اس لئے کہ اول تو فقط سرمایہ کا جمع کرنا کافی نہیں کیوں کہ سود اُس وقت تک نہیں مل سکتا تاوقتیکہ سرمایہ قرض پر نہ دیا جائے دوسرے یہ کہ ایسے اصل کو قرض دے کر بھی سود حاصل کیا جا سکتا ہے جسے درحقیقت جمع نہیں کیا گیا بلکہ جو ورثے میں ملا ہو۔ بالخصوص موجودہ معاشرے میں جہاں بنکوں کے ذریعے اعتبار کی تخلیق ہوتی ہو[1]

---

[1] یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ معاشرے میں پس اندازی کرنے کے لئے کسی جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بچتوں کا ایک کثیر حصہ خود بخود اکٹھا ہوتا رہتا ہے۔ امریکہ میں جہاں ایسے اعداد و شمار جمع کئے گئے ہیں، پتہ چلتا ہے کہ وہاں جملہ بچتوں کا ۶۰ فیصد حصہ خود بخود جمع ہو جاتا ہے۔ اسکی وضاحت یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ سب بڑے بڑے کارخانے جب کاروبار شروع کرتے ہیں تو انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مشینیں

اور جہاں بچتیں بیشتر افراد کی کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ بہ لحاظ نوعیت اجتماعی [۲۲] ہوتی ہیں بچتوں کا دارومدار سود پر نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو بقیہ نوٹ صفحہ (۶۱)۔ کتنے عرصے میں ناکارہ ہو جائیں گی۔ اور انھیں پھر سے نئی مشینیں خریدنا پڑیں گی۔ پیش بندی کے طور پر ہر سال اتنی رقم ایک الگ ذخیرے میں جمع کرتے جاتے ہیں اور اصطلاحی زبان میں ایسے ذخیرے کو ذخیرہ مطالباتِ فرسودگی کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کارخانے میں ایک کروڑ روپئے کی ملکیت کی مشینیں ہیں کارخانہ کو یہ معلوم ہے کہ دس سال کے اندر اندر یہ مشینیں فرسودہ ہو جائیں گی تو وہ منافع کی تقسیم سے پہلے جملہ آمدنی میں سے ہر سال دس لاکھ کی رقم الگ جمع کر دیگا تاکہ دس سال کے بعد اس ذخیرے میں ایک کروڑ روپئے کی رقم جمع ہو سکے اور جملہ مشینیں نئے سرے سے خریدی جا سکیں۔ موجودہ معاشرے میں بچتیں اسی قسم کے کارخانے کرتے ہیں ان بچتوں پر شرح سود کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ یہ رقم تو ہر حالت میں پس انداز کیجاتا ہے خواہ اس رقم کی حفاظت کے لئے انہیں اپنی گرہ سے کچھ دام دینے پڑیں۔ لہذا یہ پروپیگنڈا کہ اگر شرح سود کو اڑا دیا جائے تو بچتیں نمایاں طور پر متاثر ہونگی۔ کم از کم ساٹھ بچتوں کی حد تک درست نہیں۔

[۲۲] اصل انگریزی لفظ کریڈٹ (CREDIT) ہے۔ یہ لفظ بہت سے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی قرض کی صورت میں کبھی ساکھ کی صورت میں اور کبھی اعتبار کی صورت میں۔ لیکن بینک کاری کے سلسلے میں اس کا صحیح مفہوم اردو میں کسی ایک لفظ سے پورے طور پر واضح نہیں ہوتا۔ بینک کاری کے موجودہ نظام کو

اسنادی معاشیین کے خیال کے مطابق بچتوں اور شغل اصل کے درمیان مساوات شرح سود کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ اگر بچتیں شغل اصل کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہیں تو شرح سود میں تخفیف ہو جاتی ہے جس کے باعث شغل اصل کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ غرض اس طرح ان دونوں کے درمیان توازن قایم ہو جاتا ہے۔ لارڈ کینز نے اس خیال کی بالکل صحیح طور پر تردید کی ہے۔ اُن کی رائے میں یہ توازن شرح سود کے ذریعے نہیں بلکہ سطح آمدنی کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ بچتوں[۳۲] کا دارومدار سطح روزگار اور آمدنی پر ہوتا ہے۔ لارڈ کینز کا متذکرہ بالا نظریہ

ملاحظہ ہو بقیہ نوٹ صفحہ (۶۲)۔ کا نظام بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا دارومدار بھی اعتماد و اعتبار پر ہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بینک بھی اگر سب امانت دار بیک وقت اپنی امانتوں کا مطالبہ کریں تو وہ اس کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ باب چہارم میں ساہوکارون کی ابتداء کے سلسلے میں ہم نے تفصیل سے بتایا ہے کہ بینک کس طرح لوگوں کو قرضے دیتے ہیں اور محض اعتماد و بھروسے کی آڑ میں لین دین کا وسیع کاروبار کرتے ہیں اور اُن کے دیئے ہوئے قرضوں سے زر کی مقدار میں کثیر اضافہ ہو جاتا ہے۔

[۳۲] موجودہ جنگ میں شرح سود بہت ہی کم ہو گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بینکوں میں جمع شدہ بچتوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے حالانکہ پرانے خیال کی رو سے جب شرح سود میں کمی ہوئی تھی تو بچتوں میں بھی کمی ہونا چاہیئے تھی۔ اس کمی کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ملک میں کاروبار کی خوشحالی کا دور دورہ تھا اور روزگار کی فراوانی تھی۔ آمدنی بڑھی ہوئی تھی لہذا لوگوں کی قوت

فی الحقیقت نتیجہ ہے اُن کے اِس تصور کا کہ بچتوں کی رسد کا بل طور پر جداگانہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا انحصار کلیتہً شغل اصل پر ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "فیصلے کا اختیار در اصل آجروں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے نہ کہ پس انداز کرنے والوں کے گو کہ ہر فرد کو کامل آزادی حاصل ہوتی ہے کہ جتنی اُس کی مرضی ہو اُسی قدر پس انداز کرے لیکن بحیثیت مجموعی پس انداز کرنے والے آجروں کے رحم و کرم کے محتاج ہوتے ہیں[۲]"

استادی نظریئے میں نقص یہ ہے کہ وہ سارے معاشرے میں مساوات آمدنی کے مفروضے پر قایم ہے جو واقعے کے سراسر خلاف ہے۔ مزید برآں بچتوں کا انحصار محض شرح سود پر نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ہمیں پروفیسر کیسل کی سند حاصل ہے جو لکھتے ہیں "ایک خاص رقم جو افراد اپنی معینہ آمدنی سے پس انداز کرتے ہیں وہ بیشتر اوقات شرح سود کے تغیرات سے مستغنی ہوتی ہو شرح سود میں اضافے کے ساتھ ساتھ ممکن ہے کہ بعض افراد پہلے سے زیادہ پس انداز کرنے لگیں اور بعض کم، اس لئے کہ بچتوں کی تہ میں جو محرکات ہوتے ہیں وہ حد درجے پیچیدہ ہوا کرتے ہیں۔ معاشرہ اپنی آمدنی کا جو جزو پس انداز کرتا ہے اس کا انحصار آمدنی کی مقدار، تحفظ اور اقتدار کے جذبے، اور

ملاحظہ ہو بقیہ نوٹ صفحہ (۶۳) پس اندازی بڑھ گئی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سود کو اڑا دیا جائے تو معاشرے میں اور زیادہ خوشحالی پیدا ہو جائیگی۔

[۲] کینس کے نظریہ روزگار پر مقدمہ از جون رابنسن صفحہ ۱۳۔

مستقبل اور حال کے درمیان نفسیاتی کیفیات پر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں شرح سود سے خالص بچتوں کے متاثر ہونے کا امکان برائے نام ہے[۵۳]۔

اسنادی نظریۂ سود کی ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس نے معاشرے کا سکانوی تصور پیش کیا ہے۔ یہ لازمی نہیں ہے کہ بچتوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ شغل اصل میں اضافہ ہو یا کم یا زیادہ شرح سود سے شغل اصل میں کمی بیشی نمودار ہو۔ اِن اعتراضات کی حقیقت بالخصوص خوشحالی اور کساد بازاری کے زمانے میں بخوبی واضح ہو جاتی ہے جبکہ اوّل الذکر دور میں شرح سود میں اضافے کے باوجود شغل اصل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور موخر الذکر صورت میں شرح سود کی تخفیف کے باوجود شغل اصل کی جانب میلان نہیں پیدا ہو سکتا۔

ایک اہم نقص سود کے اسنادی نظریئے میں یہ ہے کہ اُس نے اِس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ ممکن ہے بچتوں کو مشغول کیا ہی نہ جائے بلکہ انہیں بیکار نقدی کی شکل میں پڑا رہنے دیا جائے۔ دنیا کے تین چوتھائی حصے میں بعینہٖ یہی ہوتا ہے، نیز بقیہ ایک چوتھائی حصے مثلاً مغربی یورپ اور امریکہ میں بھی بہت سا سرمایہ نقد رقوم کی شکل میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تصور کہ شرح سود کا تعیّن اصل کی پیداواری مختتم کے ذریعے ہوتا ہے سراسر لایعنی ہے اِس لئے کہ اصل کی پیداواری مختتم خود شرح سود کے ذریعے

---

[۵۳] "سود کی نوعیت اور ضرورت" از گسٹو کیسل۔

قرار پاتی ہے۔ اس کے علاوہ اسنادی معاشیین کا یہ محض مغالطہ تھا کہ مقدار زر اور شرحِ سود کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

سود کا نظریہ اجتناب۔ ناسو ولیم سینیئر نے سود کو اجتناب کا نتیجہ قرار دیا۔ اجتناب سے مراد اس کے نزدیک ایسے شخص کا طرز عمل تھا جو کہ ایسے غیر پیدا آور صرف سے احتراز کرتا تھا جس کی اس میں مقدرت تھی یا فوری نتائج پر طویل المدت نتائج کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ایسی مسرتوں سے اجتناب کرنا جو ہماری دسترس میں ہوں یا مستقبل بعید میں حاصل ہونیوالے فوائد کو فوری پر ترجیح دینا انسانی فطرت کا نہایت شدید ایثار ہے۔ ان جملہ امور میں جن کے باعث انسان کو اشرف المخلوقات کا رتبہ حاصل ہوا ہے شائد اجتناب سب سے زیادہ موثر ہے نیز اس میں اضافہ بہت سست رفتار سے ہوتا ہے اور بہت کم افراد اس جذبے کے حامل ہیں۔[۱]

افراد کے مختلف طبقات جن کی آمدنی میں تفاوت ہوتا ہے وہ جو ایثار کرتے ہیں اسے سینیئر نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ایک اشترا کی مصنف لاسیل نے مندرجہ ذیل فقروں میں سینیئر کا مضحکہ اڑایا ہے "منافع کا صلہ اجتناب کی اجرت ہے۔ کیسا زرین ہے یہ مقولہ! یورپ کے بے غرض کروڑپتی ہندوستان کے تائب اور نفس کش رشیوں کی مثل ایک پیر پر

---

[۱] "علم المعیشت از ناسو ولیم سینیئر۔"

کھڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے اور جسم لرز رہا ہے اُن کا ہاتھ پھیلا ہوا ہے جس میں ایک کاسہ ہے۔ اِس طرح یہ اجتناب کا صلہ حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں سب سے پیش پیش اور سب سے زیادہ تپسیہ کرنیوالا بیرن راتھ چائیلڈ ہے۔[۲۵]"

غرض یہی وہ اِعتراضات تھے جن کی بناء پر مارشل نے لفظ اِجتناب کی جگہ اِنتظار کشی کی اصطلاح اِستعمال کی تھی۔ مختصر یہ کہ سود کے نظریۂ اِجتناب سے جس انداز میں کہ اسے سینیر اور اس کے شاگردوں نے پیش کیا ہے شرح سود کی تشریح ہو ہی نہیں سکتی۔

پروفیسر کیسل اور مسٹر ہنڈرسن نے نظریۂ اِجتناب پر اس لئے اِعتراض کیا ہے کہ اس سے سود کا کوئی تشفی بخش سبب نہیں ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں شرح سود کا فریضہ صرف یہ ہے کہ وہ شغل اصل کی رہبری ایسی راہوں کی جانب کرد ے جو سب سے زیادہ بار آور ہوں۔ بقول مسٹر ہنڈرسن کے "شرح سود بکروں کو مینڈھوں سے علیحدہ کر دیتی ہے۔" یہ ایک ایسی چھلنی کا کام دیتی ہے جس میں سے اصل کے سارے منصوبوں کو گزرنا ہوتا ہے اور ان میں سے فقط اُن ہی منصوبوں کو گزرنے دیا جاتا ہے جن سے مستقبل میں خاطر خواہ نفع کی توقع ہو۔ اِس مقصد کے لئے اِس سے

---

[۲۵] بام باورک نے اپنی تصنیف "اصل و سود" میں یہ اِقتباس پیش کیا ہے۔ راتھ چائلڈ۔

بہتر ذریعے کا تصور بھی دشوار ہے۔"[۲۸]

لیکن اِس منزل پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر اس فیصلے کا معیار کیا ہے کہ کونسا استعمال کارآمد ہے اور کونسا نفع بخش نہیں نیز اس کا فیصلہ کرے کون؟ اس لئے کہ شخصی اور اجتماعی مفادات میں تضاد بھی ہو سکتا ہے مثال کے طور پر ایک آجر جو اپنا سرمایہ لگانا چاہتا ہے اُس کے سامنے دو صورتیں موجود ہیں یعنی ایک طرف شراب کی تیاری تو دوسری طرف کم استطاعت طبقہ کے لئے مکانات کی تعمیر۔ اب اگر اول الذکر کاروبار میں ۶ فیصد سود حاصل ہوتا ہے اور موخر الذکر میں صرف ۵ فیصد تو لازمی طور پر شراب کی بھٹیاں قایم کرنے میں سرمایہ لگایا جائیگا۔ قطع نظر اس کے کہ اس طرح کیسے مضر اثرات مترتب ہوں گے اور لوگ بغیر مکانات کے رہ جائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ سینیر کا نظریہ ناقص ہے اور یہیں ناقابلِ قبول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ پہلا عالم معاشیات تھا جس نے اصل کے استعمال کے سلسلے میں وقت کے عنصر کو نمایاں اہمیت دی۔

سرمایہ دارانہ یا پیچیدہ طریق پیدایش میں اشیاء کی تیاری اور ان کے صرف کے درمیان ایک وقفہ ہوا کرتا ہے۔ اس نظام میں انتظار کشی اوّلین شرط ہوا کرتی ہے جس کے بغیر پیدایش بر پیمانہ کبیر ممکن ہی نہیں ہوتی چنانچہ ایسی صورت میں قرض دینا قرضخواہ اور قرضدار دونوں کے لئے

---

[۲۸] "طلب ورسد" از ہینڈرسن۔ کرد ترجمہ ہوری خاندان ہے۔

مفید ثابت ہوتا ہے۔ یہ نظریہ اس تصور پر مبنی ہے کہ جو اصل قرض دیا گیا ہے وہ
پیدا آور اغراض کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے جس سے قرضدار کو فائدہ پہنچتا ہے
چنانچہ آیئے ہم سود کے نظریہ پیدا آوری کا امتحان کرلیں۔

سود کا نظریہ پیدا آوری

اِس نظرئیے کے حامی پیدا آوری کو اصل کی حقیقی یا ذاتی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور
اسی پیدا آوری کو سود کا سبب ثابت کرتے ہیں۔

بام بادرک نے اصل کی پیدا آوری کا مفہوم مندرجہ ذیل چار صورتوں میں واضح کیا ہے[۹۲]

(۱) اصل میں اشیاء کی پیدائش میں معاونت کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

(۲) اصل کے استعمال کے باعث بہ نسبت اس کی برخلاف صورت کے زیادہ اشیاء تیار کی جاسکتی ہیں۔

(۳) اصل میں زیادہ قدر پیدا کرلے کی قابلیت ہے بہ نسبت اُس کی برعکس صورت کے۔

(۴) اصل میں خود اپنی ذاتی قدر سے زیادہ قدر پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

بالفاظِ دیگر اصل کے استعمال کے باعث اُس قدر کے مقابلے میں۔

---

[۹۲] "اصل کا اثباتی نظریہ" از بام بادرک مترجمہ اِسمارٹ۔

زیادہ قدر پیدا ہو جاتی ہے جو کہ اصل کی شکل میں صرف کی جاتی ہے۔

اِس نظریئے میں نقص یہ ہے کہ اس نے زر اور شغل اصل سے حاصل ہونے والی توقعات کو بہت ادنیٰ حیثیت دی ہے۔ تجربہ ہم کو بتلاتا ہے کہ اگر کسی شئے کی پیدائش میں اِفراط ہو جائے تو اس کی قیمت میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات قیمتوں کی یہ تخفیف ایسی شدید بھی ہو سکتی ہے جس سے نہ صرف سود ہی وصول نہیں ہوتا بلکہ اصل بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ دوسرے نظریہ پیدآوری اس کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ آخر اشیائے صرف کے سلسلے میں سود کیوں ادا کیا جاتا ہے جو پیدآور نہیں ہیں۔

اِس نظریئے یا اُس کی مقبول ترین شکل یعنی سود کے نظریہ مختتم سے شرح سود کی تشریح ممکن نہیں۔

پیدآوری مختتم کا نظریہ

سود کا یہ نظریہ اسی مفروضے پر قایم ہے کہ معاشرے میں ہمیشہ کامل یکسانیت اور توازن قایم رہے۔ لیکن یہ دونوں شرائط حقیقی زندگی کے سراسر منافی ہیں۔ اِس لئے کہ اوّل تو آبادی، مذاق، اِیجادات اور اِجتماعِ اصل وغیرہ میں مسلسل تغیر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے اِس نظریئے کے حامیوں نے مقدارِ زر کی کمی زیادتی کو جس سے شرح سود نمایاں طور پر متاثر ہوتی ہے قطعاً نظرانداز کر دیا ہے۔ نظریہ پیدآوری مختتم میں زر اور اِعتبار کو اہمیت نہیں دی گئی ہے۔

اِس نظریئے سے ایک حد تک اس کی تشریح تو ہوتی ہے کہ پیدآور قرضوں پر سود کیوں ادا کیا جاتا ہے لیکن یہ نظریہ قطعی طور پر اس کی توضیح سے

قاصر ہے کہ شرح سود کا تعین کیونکر ہوتا ہے نیز ایسی صورت میں جبکہ قرض لیے ہوئے سرمائے پر نقصان ہوتا ہے تو آخر پھر سود کیوں طلب اور ادا کیا جاتا ہے۔

اِن اہم سوالات کا جواب یہ نظریہ دینے سے قاصر ہے۔

سود کا آسٹروی نظریہ

سود کا آسٹروی نظریہ جسے ایجیو AGIO نظریہ سود کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے زیادہ تر بام ورک کے افکار کا نتیجہ ہے۔ قبل اِس کے کہ ہم اِس نظریئے کو پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بام ورک نے اصل اور پیچیدہ طریق پیدائش کی جو تعریف کی ہے اُسے واضح کر دیا جائے۔ اُس کے نزدیک اصل ایسی اشیائے پیدائش کے مجموعے کے سوا کچھ بھی نہیں جن کا مقصد مزید پیدائش میں حصہ لینا ہو۔ مختصر یہ کہ اصل فی الحقیقت زمین اور محنت کا ذخیرہ ہے۔ بام باورک کی رائے میں سرمایہ دارانہ طریق پیدائش ایسا اساسی تصور ہے جس کے سامنے اصل کی حقیقت ثانوی ہے۔ سرمایہ دارانہ طریق پیدائش کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ یعنی اس میں پیدائش کے متعدد پیچیدہ طریقے منتخب کر کے اختیار کئے جاتے ہیں۔ تمدنی ترقی کے بعد شاذو نادر ہی اشیائے صرف کی پیدائش راست طور پر ہوتی ہے بلکہ پہلے ہم آلات اور کلیں تیار کرتے ہیں جنھیں بالآخر اشیائے صرف کی پیدائش میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم فطری ذرائع اور محنت کی ایک معینہ مقدار کو راست طور پر اشیائے صرف کی تیاری میں استعمال کرنے کے بجائے آلات اور دوسری اشیائے پیدائش کی تیاری کے لئے صرف کرتے ہیں۔ پیدائش

کا پیچیدہ طریقہ محض اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ زیادہ فائدہ مند اور موثر ثابت ہوتا ہے۔ بام ورک پیچیدہ طریق پیدائش کی اہمیت مندرجۂ ذیل الفاظ میں

ابتدائی زمانے میں کاروبار بالکل راست طریق سے سرانجام پاتے تھے۔ لوگ جنگلوں میں رہتے تھے اور جب بھوک لگتی تو خود ہی جنگلی پھل توڑ کر پیٹ بھر لیتے۔ جوں جوں معاشرہ ترقی کرتا گیا یہ آسانی دور ہوتی گئی۔ ضروریاتِ زندگی بجائے براہِ راست پوری ہونے کے بالراست پوری ہونے لگیں۔ لیکن مشینوں کی ایجاد سے پہلے تک پیدائشِ دولت میں زیادہ پیچیدگی نہ تھی اور ضروریاتِ زندگی بھی کم پیچیدہ طریقے سے حاصل ہو جاتی تھیں۔ لیکن معاشرے کی ترقی کے ساتھ صورتِ حال بھی بدلتی گئی۔ مثال کے طور پر پہلے کاشتکار خود گھر ہی میں اپنے کھیت کی روئی سے سوت کات کر کپڑے بنا لیتا تھا اور گھر ہی میں سی کر پہن لیتا تھا۔ اب ہندوستان کا معمولی کاشتکار بھی انگلستان کے بنے ہوئے کپڑے پہنتا ہے اور روئی کوئی ہزاروں مدارج میں سے گزر کر کپڑے کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اسی طرح روزمرہ پہننے کے جوتے گاؤں کے موچی تیار کر لیتے تھے۔ لیکن اب باٹا فیکٹری میں ایک جوتا ۱۲ ہاتھوں میں سے گزر کر تیار ہوتا ہے۔ اس طریق کو اصل دارانہ طریق پیدائش یا پیچیدہ طریق پیدائش کہتے ہیں۔

واضح کرتا ہے "حقیقی قوت پیدائش یعنی محنت اور قدرتی ذرائع سے راست پیدائش کی بہ نسبت پیچیدہ اصل دارانہ طریقے کے ذریعے زیادہ اشیاء تیار کی جاسکتی ہیں"[۳۱]۔

بام بادرک نے اصل دارانہ طریق پیدائش کو ایک ایسا طریقہ قرار دے کر جس کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور اصل کو درمیانی اشیاء کی حیثیت دے کر نظریۂ سود کی نمایاں خدمت انجام دی۔

اس کے بعد اس نے سود کے اسباب کا تجزیہ کیا ہے جو ہمارے لئے موجب دلچسپی ہے۔ اس کے نظریئے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول تو اس کے نزدیک سود نتیجہ ہے مبادلے کا۔ دوسرے سود کا سبب اس نے یہ قرار دیا ہے کہ انسان موجودہ اشیاء کو اسی قسم کی آئندہ اشیاء پر ترجیح دیتا ہے، وہ کہتا ہے "یہ کلیہ ہے کہ ہمیں موجودہ اشیاء اسی قسم اور اسی تعداد میں آئندہ اشیاء کی نسبت زیادہ عزیز ہوتی ہیں"۔ چنانچہ یہی امر نظریۂ سود کی جڑ یا مرکز ہے جسے میں پیش کرنے والا ہوں[۳۲]"۔ آئندہ اشیاء کے مقابلے میں موجودہ اشیاء کو ہم جو ترجیحی حیثیت دیتے ہیں اسے وہ ایجیو AGIO کہتا ہے۔ اس نظریئے کو ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ ایک شخص سو روپئے قرض لیتا ہے اور ایک سال کے بعد ایک سو تین روپئے واپس کرنے کا وعدہ کرتا ہے،

---

۳۱ "اصل کا اثباتی نظریہ از بام ورک" مترجمہ اسمارٹ صفحہ ۸۲۔

۳۲ "بام ورک" صفحہ ۲۵۱۔

اس طرح موجودہ زر اور آئندہ زر کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ ایک سو تین روپے ایک سال کے بعد مساوی ہوں گے موجودہ ایک سو روپئے کے دوسرے الفاظ میں تین روپئے کی مزید رقم جو ایک برس بعد حاصل ہوتی ہے اس کی اہمیت محض ظاہری ہوتی ہے اور یہ رقم سود کہلاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر سود فی الحقیقت اصل کا ایک جزو ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بلا سود قرض دینا کسی شئے کو اس کی بازاری قیمت سے کم پر فروخت کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر لوگ موجودہ اشیاء کو مستقبل کی اشیاء پر ترجیح کیوں دیتے ہیں؟ اس کے بام باورک نے تین سبب بتائے ہیں۔

(۱) مستقبل کے متعلق صحیح اندازہ نہ ہونا جس کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(ا) ناقص التخیالی۔

(ب) قوتِ ارادی کی خرابی۔

(ج) زندگی کا غیر معین ہونا۔

(۲) احتیاجات میں اختلاف اور ان کی تشفی کے لئے جو سامان کیا جاتا ہے، اس میں تفاوت۔ ضرورت مند لوگ حال کو مستقبل پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۳) موجودہ اشیاء کی فنی برتری۔ اُن کے فوری استعمال سے زیادہ دولت پیدا کی جا سکتی ہے۔ معاشی الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ اشیاء کی پیداآوری مختتم آئندہ اشیاء کی پیداآوریٔ مختتم کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس طرح باورک نے سود کو ایک معاشی لوازمے کی حیثیت دی ہے۔

لیکن فی الحقیقت جن نفسیاتی بنیادوں پر یہ نظریہ قائم ہے وہ سراسر

ناقص ہیں۔ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد محض اس لئے پس انداز کرتی ہے کہ مستقبل میں اِن کی ضروریات موجودہ ضروریات سے تجاوز کر جائینگی۔ چنانچہ بچوں کی تعلیم اور شادی بیاہ نیز ضعیفی کے زمانے میں استعمال کے لئے جو رقم پس انداز کی جاتی ہے اُس کی تہ میں یہی محرکات ہوتے ہیں۔ دوسرے مسٹر برٹرینڈ رسل کے قول کے مطابق "حصولِ دولت سے متعلق ہماری بیشتر جدوجہد کی تہ میں شخصی شہرت اور اعلیٰ سماجی حیثیت حاصل کرنے کے محرکات ہوتے ہیں" اگر ہم سود کے اس نظریئے کا گہرے طور پر مطالعہ کریں تو ہمیں اس میں اور سود کے نظریۂ اجتناب کے درمیان زیادہ فرق نہیں معلوم ہوگا۔

اس کے بعد بام ورک نے شرح سود کی تشریح کی ہے۔ اُس کے نزدیک تین مختلف اجزاء شرح سود پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(۱) فطری سرمایہ کی مقررہ مقدار۔

(۲) اس میں سے استفادہ کرنے والے پیداکنندوں اور قرض لینے والوں کی تعداد۔

(۳) سرمایہ دارانہ طریق پیدائش کے باعث جو مزید پیداوار حاصل ہوتی ہے اس کی فروخت کی کیفیت۔

شرح سود کا تعین اصل کی پیدآوری مختتم سے ہوتا ہے جس میں عمل پیدائش کی طوالت کے ساتھ ساتھ تخفیف ہوتی جاتی ہے صاف اور سیدھے الفاظ میں زیادہ سرمایہ لگانے سے منافع کا رجحان کم ہونے لگتا ہے۔ ہم یہ اس سے

قبل واضح کر چکے ہیں کہ موجودہ اصلداراتہ طریق پیدائش کی ایک نہایت نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ روز بروز زیادہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ سود میں مسلسل تخفیف ہوگی۔ فی التحقیقت بام باورک نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ سود کے پیداوری مختتم کے نظریئے کی ہی بدلی ہوئی شکل ہے جس میں عمل پیدائش میں وقت کے عنصر کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ بام بارک کے اکثر متقدمین اور آسٹروی مکتب خیال کے پیرو اس نظریئے کی اس ہی شکل کی حمایت کرتے ہیں اور اب اُن کے نزدیک نظریہ ایجیو لنخیر ان ترمیمات کے کسی طرح قابل قبول نہیں رہا ہے۔

بام باورک نے جو نظریہ پیش کیا تھا اس کی تکمیل کا سہرہ سویڈن کے ایک عالم معاشیات کنٹ وکسل کے سر ہے۔ اُس کے خیال کے مطابق سود نتیجہ ہے عاملین پیدائش کے راست اور بالواسطہ اِستعمال کے درمیانی فرق کا۔ نیز جب اصل کی مقدار میں اِضافہ ہوتا ہے تو لازم نہیں کہ اِسی تناسب سے شغل اصل میں بھی اضافہ ہو بلکہ دراصل ہوتا یہ ہے کہ شغل اصل طویل عرصے کے لئے ہونے لگتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِضافہ اصل کے باعث اُجرتوں اور خدمات کے معاوضوں میں جو اِضافہ ہوتا ہے وہ کالعدم ہو جاتا ہے۔ وکسل نے نظریۂ سود کی اہم ترین خدمت یہ انجام دی ہے کہ اس نے شرح سود اور سطح قیمت کے درمیان رشتہ قایم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس طرح اس کا شمار ان معاشیین میں کیا جا سکتا ہے جنھوں نے سب سے پہلے سود اور زر کے قریبی تعلق کو واضح کرنیکی

کوشش کی۔[۳۳]

بام باورک کے حامیوں کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقے میں کنٹ وکسل اور فان ہایک شامل ہیں۔ اور دوسرا طبقہ فرینک فیٹر اور ارونگ فشر پر مشتمل ہے ہایک نے ترجیح وقت کے نظریئے کی مذمت کرتے ہوئے اصل کی پیداآوری کے پہلو پر زور دیا ہے برخلاف اس کے فیٹر اور فیشر اب تک ترجیح وقت کے نظریئے پر قایم ہیں قطع نظر اس سے۔ فیشر نے اپنی تصنیف "نظریہ سود" میں شغل اصل کے مواقعوں کے اصول کو خاص اہمیت دی ہے۔

سود کا نظریہ زر گذشتہ صفحات میں ہم نے سود کے جو مختلف نظریئے پیش کئے اُنھیں سود کے خالص نظریوں کے نام سے موسوم کرنا صحیح ہوگا اس لئے کہ اُن میں زر کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ اَب ہم اِن نظریوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو تھوڑا ہی زمانہ گذرے منظرِ عام پر آئے ہیں جن میں زر کو نہایت نمایاں حیثیت دی گئی ہے ان نظریوں میں سود کو زر سے قریبی تعلق رکھنے والا مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ نیز ان نظریوں کو سود کی اصلیت سے کہیں زیادہ شرح سود کے تعین سے سروکار ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے (جس کے مضمرات پر ہم اسلامی نظریہ سود پر بحث کرتے وقت روشنی ڈالیں گے) جب کوئی یقین نظریۂ سود کا حقیقی سبب واضح کرنے سے قاصر ہو تو بھلا وہ شرح سود کے

[۳۳] تفصیلات کے ملاحظہ فرمائیے۔ علم المعیشت پر لکچر از وکسل "سود اور قیمتیں" از وکسل

تعین کی تشریح کا مدعی کیونکر ہو سکتا ہے۔

اِن نظریوں میں سود کو محض زر کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں دو مختلف نظریے پیش کئے گئے ہیں۔ ایک تو "قرض پذیر سرمائے" کا نظریہ دوسرے ترجیح سیّال پذیری کا نظریہ[۱۳۳]۔ اِن دونوں نظریوں کے درمیان فقط اختلاف رائے اِس امر پر ہے کہ کیا شرح سود کا اِنحصار قرض پذیر سرمائے

---

[۱۳۳] یہ اصطلاح لارڈ کینزنے گھڑی اور اس کا استعمال ان کی کتاب "سود" "زر اور روزگار کا عام نظریہ" میں ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے عام فہم الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنی پس انداز شدہ رقم ایسی صورت میں رکھنا چاہتے ہیں جہاں سے لیکر وہ جب چاہیں اسے استعمال کریں۔ مثلاً ایک شخص کی ایک رقم چالو کھاتے میں ہے جب چاہے وہ اس رقم کو فوراً حاصل کرنیکا استحقاق رکھتا ہے۔ لیکن اگر اُسے معینہ مدّت کے لئے جمع کر دیا جائے تو اُسے اِس مدت سے پہلے رقم حاصل کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس عرصے میں اُسے ایسے بہت سے مواقع حاصل ہوں جن سے وہ فائدہ اُٹھا سکے۔ اُسے اگر کوئی سودا سستا ملجائے تو وہ فوراً خرید لے اور اس سے فائدہ اُٹھائے اپنے اس حق کو تلف کرنے اور ایسے سودوں سے فائدہ نہ اُٹھانے کی تلافی کے لئے اُسے کچھ نہ کچھ معاوضہ دینا پڑے گا۔ اُس کو اِصطلاحی زبان میں ترجیح سیّال پذیری کہتے ہیں۔

کی طلب اور رسد پر ہے یا خود زر کی طلب و رسد پر۔[۳۵] اوّل الذکر خیال کے حامیوں میں پروفیسر برٹل اوہلن، رابرٹسن، ہکس اور بہت سے نامور معاشیین کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ موخر الذکر عقیدہ لارڈ کینس اور اُن کے پیروؤں کا ہے۔

قرض پذیر ذخیرے کا نظریہ اُس فاصلے کے طے کرنے میں جو سود کے اسنادی نظریئے اور سود کے جدید نظریوں کے درمیان حائل تھا پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نظریہ بچتوں اور شغل اصل کے تصورات کے مکمل تجزیئے پر مبنی ہے۔ اِس مکتب خیال اور لارڈ کینس کے مکتب کے درمیان فرق یہ ہے کہ لارڈ کینس کے نزدیک بچتوں اور شغل اصل میں ہمیشہ مساوات قائم رہتی ہے لیکن قرض پذیر سرمائے کے نظریئے کے حامیوں کو اِس خیال سے اِختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سود تو محض اعتبار کی قیمت ہے اور ایسی حالت میں اس کا تعیّن سراسر اصل کی طلب اور رسد کے ذریعے ہوتا ہے۔

مسٹر لرنر نے قرض پذیر نظریئے کی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے "سود دراصل ایسی قیمت ہے جو اِعتبار کی رسد اور اعتبار کی طلب اُن دونوں کے درمیان مساوات پیدا کرتا ہے۔"[۳۶]

اِس مکتب خیال کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ آمدنیوں سے جو رقوم پس انداز

---

[۳۵] "اِسناکھوم کا نظریہ پس اندازی و شغل اصل"، از برٹل اوہلن اکنامک جرنل ۱۹۳۷ء

[۳۶] "نظریہ سود کی مختلف تعبیریں" از اے پی لرنر اکنامک جرنل ۱۹۳۸ء

کی جاتی ہیں وہ کم ازکم قلیل مدت کی حد تک شرح سود سے متاثر نہیں ہوتیں
قرض پذیر سرمایہ کا ذخیرہ فقط انفرادی بچتوں پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ ان رقومات
سے جو ادائیگی قرض کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور افراطِ زر کے ذریعے بھی
اس میں اضافہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بچتوں کو افراد کی کوششوں
سے ہرگز وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ موجودہ معاشرے
میں ایک بہت بڑی مقدار میں رقومات خود بخود جمع ہوتی رہتی ہیں۔ کارخانہ دار
اپنی مشینوں کی تجدید کے لئے ہر سال رقوم بچاتے رہتے ہیں اور یہ بچت شرح
سود سے متاثر نہیں ہوتی۔

قرض پذیر ذخیرے کے نظریئے اور لارڈ کینس کے نظریئے کے درمیان
اساسی اختلاف یہی ہے کہ موخرالذکر کے خیال میں خواہ شرح سود کچھ بھی ہو
بچتوں اور شغل اصل میں کامل مساوات رہتی ہے۔ لارڈ کینس نے نظریۂ
سود میں اس امر پر زور دے کر نہایت اہم اضافہ کیا ہے کہ بچتوں اور شغل اصل
کے درمیان مساوات شرح سود سے نہیں بلکہ سطح آمدنی سے پیدا ہوتی ہے
لارڈ کینس کے خیال میں سود محض نتیجہ ہے اُس ترجیح کا جو موجودہ نقدی کو آئندہ
نقدی پر حاصل ہے۔ سود کو پس انداز کرنے یا صرف نہ کرنے کا صلہ قرار دینا
صحیح نہیں بلکہ دراصل یہ معاوضہ ہے قرض دینے کا۔ دوسرے الفاظ میں
یہ انعام ہے ذخیرہ اندوزی نہ کرنے کا یا مخصوص مدت کے لئے سیال پذیری
سے دستبردار ہونے کا۔ اس طرح سود پیمانہ ہے اُن لوگوں کی نارضامندی کا
جس کے پاس سرمایہ ہوتا ہے لیکن جو اس کی سیال پذیری سے دستکش

ہونے پر رضامند نہیں ہوتے۔ سود ایک ایسی قیمت ہے جو نقدی کی موجودہ مقداروں اور نقد کی شکل میں اجتماع دولت کے محرکات کے درمیان توازن قایم رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں سود، خرچ نہ کرنے اور ذخیرہ نہ کرنے دونوں کا معاوضہ ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں سود وصول کرنے کے لئے شاید ہی کوئی تشفی بخش دلیل پیش کی جا سکتی ہے ایسی حالت میں جبکہ کم و بیش ہر متمدن ملک میں بچتوں کا ایک نہایت معتد بہ حصہ انفرادی بچتوں کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اُسے بینک اور اسی نوع کے دوسرے مالی ادارے تخلیق کرتے ہیں۔ چنانچہ سود کے یہ نظریئے سود کے لین دین کی حمایت میں محض یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرض لئے ہوئے سرمائے کے ذریعے منافع حاصل کرنے کا موقع ہوتا ہے۔

شرح سود کی تشریح کے سلسلے میں لارڈ کینز نے دو امور پر بطور خاص زور دیا ہے۔

(۱) زر کی سیال پذیری کو ترجیح یعنی رقم نقد رکھنا۔

(۲) مقدار زر۔

اول الذکر سے مراد بقول لارڈ کینز کے طلب زر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اُن کے نزدیک شرح سود اُن شرائط کے باہمی عمل سے طے پاتی ہے جن کے تحت عوام کم و بیش زر کے سیال پذیر ہونے پر راضی ہوتے ہیں نیز جن پر نظام بنک کاری سیال پذیر ہونے پہ تیار ہوتا ہے۔

ترجیح سیال پذیری کے سلسلے میں لارڈ کینز نے تین اقسام کے محرکات

پیش کئے ہیں۔

(۱) کاروباری محرکات۔ ذاتی اور کاروباری ضروریات کے سلسلے میں کچھ نقدی کی ہمیشہ حاجت رہتی ہے۔

(۲) احتیاطی محرکات:- فوری ضروریات۔ منفعت بخش خریداریوں یا کسی ایسے اثاثے کے لئے جس کی قیمت بہ شکل زرِ معین ہو نقد رقوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) تخمینی محرکات:- اس قسم کے محرکات کو لارڈ کینس نے غیر معمولی اہمیت دی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک ترجیح سیال پذیری کا اہم ترین سبب یہی محرکات ہوتے ہیں۔ اس نوع کے محرکات کی تہ میں سود کی آئندہ شرحوں کے بارے میں غیر یقینی ہوتی ہے۔ غیر یقینی کے ان ہی عناصر کے باعث تخمن اپنے پاس ہر وقت نقد اثاثے رکھتے ہیں تاکہ مستقبل کے متعلق اپنی معلومات اور پیش قیاسیوں سے خاطر خواہ منافع کمائیں اور خسارے سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ لارڈ کینس کے خیال کے موجب شغل اصل اور روزگار کا تعین ترجیح سیال پذیری کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ترجیح سیال پذیری کے اثرات شغل اصل کی رفتار میں اضافے کی ساری کوششوں کو ناکام کر دیں۔ چنانچہ یہ لازمی نہیں کہ اگر مقدارِ زر میں اضافہ ہو تو شرح سود میں فوری تخفیف ہو جائے اور شغل اصل کی رفتار بڑھ جائے اس لئے کہ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ مقدار زر میں اس اضافے کی وجہ سے مستقبل کے متعلق ایسی غیر یقینی صورت پیدا ہو جائے کہ عوام کی ترجیح سیال پذیری

شدت اختیار کر جائے۔ اس کی برعکس صورت میں اگر ترجیح سیال پذیری میں تخفیف ہو جائے تو حالات میں بہتری پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ مستقبل کے متعلق تیقن اور خوش عقیدگی کی وجہ سے ترجیح سیال پذیری میں تخفیف ہو جاتی ہے جس کے نتیجے کے طور پر شغل اصل، بالخصوص طویل المدت شغل اصل کی ترغیب ہوتی ہے۔

غرض ترجیح سیال پذیری کا سارا تصور بلحاظ نوعیت نفسیاتی ہے جس میں تخمین کا نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ مختصر الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طویل المدت توقعات اور نقدی کی مقدار کو لارڈ کینس کے نظریئے میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ لارڈ کینس کو شرح سود پر موثر قابو قائم رکھنے کے سلسلے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اُن کا کامل احساس ہے۔ اُن کے نزدیک آجر کی ترجیح سیال، پذیری میں اضافے کے ساتھ ساتھ شرح سود بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن انھیں اس کا اعتراف ہے کہ شرح سود میں اضافہ لازمی نہیں بلکہ محض اُسی حالت میں ناگزیر ہوتا ہے جبکہ اعتبار میں روزافزوں طلب کو پورا کرنے کی جانب توجہ نہ کی جائے ورنہ اس کی برعکس صورت میں شرح سود میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا لارڈ کینس نے اس کو بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اصل کی متوقع پیداآوری مختتم یا بقول اُن کے "اصل کی اختتامی کارکردگی" کے باعث بھی شرح سود میں اضافہ ہوتا ہے۔

لارڈ کینس اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ شرح سود میں تخفیف کی کوئی حد و انتہا نہیں لیکن اس کے باوجود اُن کے نزدیک شرح سود کا صفر ہو جانا

قرین قیاس نہیں۔ اس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی ہے کہ شرح سود بڑی حد تک ایک سراسر رسمی چیز ہے اور اس کا انحصار بڑی حد تک اس امر پر ہے کہ معاشرہ کس شرح سود کو معقول اور محفوظ شرح تصور کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر محفوظ شرح سود ہے کونسی؟

ترجیح سیال پذیری کے تصور سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کم شرح سود اور اضافہ شغل اصل ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ غرض ادنیٰ شرح سود کاروبار کی توسیع کا واحد سبب نہ سہی تو کم از کم ایک اہم سبب ضرور ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ تصور کرنا بجا نہ ہوگا کہ اگر سود کا یکلخت وجود ہی نہ ہو تو کاروبار کی بے انتہا ترغیب ہوگی اس لئے کہ متعدد نفع بخش کاروبار شرح سود کی زیادتی کے باعث نہیں شروع کئے جا سکتے ہیں۔

چونکہ لارڈ کینس عہد حاضرہ کے نامور ترین معاشیین میں سے ہیں اس لئے ہم تفصیلی طور پر سود کے متعلق اُن کے خیالات کو پیش کرتے ہیں جو انھوں نے اپنی مشہور تصنیف "روزگار، سود اور زر کا عام نظریہ" میں قلمبند کئے ہیں۔

لارڈ کینس اور سود

ایسے ممالک میں جو پہلے سے کافی ترقی یافتہ ہوں اور وہاں مشینوں کا عام استعمال ہو وہاں مزید شغل اصل کی ترغیب برائے نام ہوتی ہے سوائے

اس کے کہ شرح سود میں کافی تیز رفتار سے تخفیف ہوتی رہے۔ کینس نے نہایت پُر زور الفاظ میں مارشل کے اِس تصور کی تردید کی ہے کہ شرح سود میں اِضافے کی وجہ سے بچتوں میں بھی اِضافہ ہوتا ہے۔ اگر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ شرح سود کے اِضافے کے باعث معاشرہ اپنی ایک خاص آمدنی میں سے زیادہ پس انداز کرنے لگے تو بھی ہمیں اس کا کامل یقین ہے کہ شرح سود میں اِس اِضافے کے ساتھ ساتھ اگر شغل اصل کی طلب میں خاطر خواہ تبدیلی نہ ہو تو، بچتوں کی مجموعی مقدار کم ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ شرح سود میں اضافے سے سطح آمدنی میں کس قدر تخفیف ہوگی۔ اِسلئے کہ آمدنیوں میں اِتنی تخفیف (موجودہ میلانِ صرف پر) ضروری ہوگی جو بچتوں میں اُس کے مساوی کمی کردے جس قدر تخفیف کہ شغل اصل میں، شرح سود کے اِضافے کے باعث (اصل کی موجودہ اِختتامی کارکردگی پر) ہوئی تھی۔

اگر ہماری آمدنی میں تبدیلی نہ ہو تو ممکن ہے کہ شرح سود کے اِضافے کے باعث ہمیں زیادہ پس انداز کرنے کی ترغیب ہو۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ اعلیٰ شرح سود سے شغل اصل میں رکاوٹ پڑتی ہے ہماری آمدنیاں ہرگز حسب سابق نہیں رہ سکتیں۔ اِن میں لازمی طور پر اُس وقت تک تخفیف ہوتی ہے تا وقتیکہ سود کی اعلیٰ شرح کے باعث پس اندازی کا جو رجحان پیدا ہو گیا تھا وہ کالعدم نہ ہو جائے۔ جتنے زیادہ کفایت شعار ہم ہوں گے یا جس قدر زیادہ خصمت کو ہم اپنی شخصی یا حکومت کی آمدنی

دصرف میں پیشِ نظر رکھیں گے اُسی کے اعتبار سے ہماری آمدنیوں میں تخفیف ہوگی جب شرح سود، اصل کی کارکردگی مختتم کے مقابلے میں بڑھ جائے گی تو شغل اصل سے بجائے فائدے کے اُلٹا خسارہ ہوگا۔

کینس نے جو نتائج اخذ کئے ہیں اُن پر ایک دوسرے عالم معاشیات پروفیسر کاسل نے تبصرہ کرتے ہوئے اپنی تصنیف "سود کی نوعیت اور ضرورت" میں لکھا ہے کہ "یہ ضروری نہیں کہ کسی خاص آمدنی میں سے پس انداز کی ہوئی رقم میں شرح سود کے اضافے کے ساتھ ساتھ اِضافہ ہو گو کہ اِس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر شرح سود میں اِضافہ ہو تو شغل اصل میں تخفیف کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔"

طویل بحث ومباحثے کے بعد لارڈ کینس اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ "شرح سود ایک سراسر نفسیاتی واقعہ ہے۔" لیکن ایک صفحے کے بعد ہی وہ اپنی رائے تبدیل کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شاید یہ خیال زیادہ صحیح ہو کہ شرح سود نفسیاتی سے کہیں زیادہ ایک رسمی چیز ہے اِس لئے کہ اس کی شرح کا اِنحصار بڑی حد تک اس پر ہوتا ہے کہ عوام کس شرح کو معقول تصور کرتے ہیں۔ بقول اُن کے "سود کی کوئی ایسی سطح بھی جسے عام طور سے معقول تصور کیا جاتا ہے، دیرپا ثابت ہوگی قطع نظر اُس کمی بیشی کے جو کہ مختلف وجوہات کی بناء پر ایک تغیر پذیر معاشرے میں ہوتی رہتی ہے۔"

اِسلام نے نمایاں ترین خدمت بنی نوع اِنسان کی یہ انجام دی کہ اس نے سود کے متعلق سطح نظر کو اساسی طور پر تبدیل کر کے اپنے

پیروؤں کے ذہن پر یہ بات نقش کر دی کہ صفر شرح سود ہی معمولی یا حقیقی شرح ہے۔
کینس نے مارشل کے اس خیال کی بھی تردید کی ہے کہ پچتوں میں اضافہ کاروباری سرگرمیوں کے لئے ناگزیر ہے۔ پس اندازی کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ مستقبل میں صرف کے لئے باضابطہ فرمائش کی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد صرف موجودہ فرمائش کا التوا ہوتا ہے۔ چونکہ روزگار کا آخری مقصد صرف کی اُمید ہے اس لئے یہ امر کسی طرح حیرت انگیز نہیں کہ صَرف کی صلاحیت میں انحطاط کے ساتھ ساتھ روزگار پر بھی اثر پڑتا ہے۔"

کینس نے اپنی تصنیف کے درمیانی حصے میں "اصل کی نوعیت کے متعلق تاثرات" کے عنوان کے تحت جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اسلامی نظریئے سے بے حد مشابہ ہیں۔ اس لئے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک "منضبط معاشرے میں سود کو صفر تک گھٹایا جا سکتا ہے نیز لوگ کاروبار کے ذریعے بھی روپیہ کما سکتے ہیں۔ چنانچہ کینس کے مندرجہ ذیل فقرے دلچسپی سے خالی نہیں۔" ایک ایسا منضبط معاشرہ جس کے پاس فنی وسائل موجود ہوں اور جس کی آبادی میں سرعت سے اضافہ نہ ہو رہا ہو ایک ہی نسل میں اصل کی کارکردگی مختتم کو متوازن کر کے شرح سود کو صفر تک گھٹا سکتا ہے۔ اس طرح ہم ایک ایسی نیم ساکت منزل پر پہنچ جائیں گے جہاں صرف مذاق آبادی، فن، طریق پیدائش اور دوسرے اداروں میں تغیر کے باعث ہی تبدیلی ہو سکے گی۔ اس طرح اصل سے تیار کی ہوئی اشیاء اس قیمت پر فروخت ہوں گی جس قدر کہ محنت اُن پر صرف کی گئی ہو۔ اس طرح اُن اصولوں

کا دور دورہ ہو جائے گا جن پر اشیاء صرف فروخت ہوتی ہیں جن میں اصل کا حصہ محض برائے نام ہوتا ہے۔"

چنانچہ لارڈ کینس اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ "اگر میرا یہ خیال صحیح ہے کہ اشیائے پیدائش میں آسانی سے اتنا اضافہ ممکن ہے جس سے کہ اصل کی کارکردگی مختتم صفر ہو جائے تو نظام اصل داری کے اکثر نقائص کی تلافی کا یہ بہترین اور موثر ترین طریقہ ہوگا۔ ذرا سے غور و فکر سے ہر شخص اُن شدید سماجی تغیرات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے جو کہ سود کے نابود ہونے کے باعث رونما ہوں گے۔ ہر شخص اس کے باوجود بھی آزاد ہوگا کہ اپنی کمائی کو پس انداز کر دے اور اُسے مستقبل میں صرف کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس پس انداز کی ہوئی رقم میں آپ سے آپ اضافہ نہ ہو سکے گا۔ بلکہ پوپ کے والد کی طرح جو کاروبار سے علیحدہ ہونے پر جب ٹوکینہم میں اپنے مکان واپس ہوا تو اپنی خانگی ضروریات کے لئے زر کی ایک تھیلی لے آیا ہر شخص کاروبار سے علیحدہ ہونے پر پوپ کے والد کے نقش قدم پر چل سکے گا۔

گو کہ سود خور کا وجود نہیں رہے گا اس کے باوجود کاروبار اور مستقبل کے لین دین کے متعلق پیش قیاسی کی مہارت کے لئے نمایاں گنجائش حسب سابق برقرار رہے گی۔ اس لئے کہ اس کا تعلق تو صرف خالص شرح سود سے ہوگا اور اس طرح کوئی وجہ نہیں کہ خطرہ برداشت کرنے کا معاوضہ متاثر ہو جائے اس طرح سوائے اس کے کہ سود کی خالص شرح کو نفی تک گھٹا دیا جائے ایسے کاروبار پر منافع حاصل ہوتا رہے گا جن کا مستقبل غیر یقینی ہو اور جن میں خطرہ مول لینا پڑے۔ اگر خطرہ برداشت کرنے کی نارضامندی قابل پیمائش ہو تو

یہ بھی ممکن ہے کہ ان مجموعی اثاثوں پر ایک عرصے میں اثباتی منافع مِلا کرے یہ قرین قیاس ہے کہ اِن حالات میں مثبتہ شغلِ اصل سے منافع کمانے کا جذبہ ایسا شدید ہو کہ اِس طرح معاوضہ محض نفی ہو جائے ؎

کینس کا خیال ہے کہ دنیا میں وسائل کی جو اِس قدر قلت ہے اِس کا سبب یہی سود ہے۔

کروڑوں برس کی اِنفرادی پس اندازیوں کے باوجود مجتمع اصل کے اثاثوں اور ذرائع کی جو قلت ہے اُسے کینس کے قول کے مطابق نہ تو اِنسان کی ناعاقبت اندیشی پر محمول کیا جا سکتا ہے نہ ہی جنگ کی تباہ کاریوں پر بلکہ یہ فی الحقیقت نتیجہ ہے اُس اعلیٰ معاوضے کا جو قدیم زمانے میں اراضی پر اور عہدِ حاضرہ میں سرمائے پر وصول کیا جاتا ہے۔ کینس کو مارشل کے اِس خیال سے سراسر اختلاف ہے کہ "یہ ایک صریح حقیقت ہے کہ عوام کے اِنتظار کشی پر رضامند نہ ہونے اور موجودہ اِفادوں کو آئندہ اِفادوں پر ترجیح دینے کے باعث اِجتماعِ اصل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور شرحِ سود برقرار رہتی ہے"[۳۷]

اِس سلسلے میں اِسلام نے زکوٰۃ کے اِدارے کی بنا ڈال کر اور اسے اِسلام کا ایک اُساسی اُصول قرار دے کر نہایت نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ ایک طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زکوٰۃ فی الحقیقت ڈھائی فیصد کی شرح کا ایک ایسا محصول ہے جس کا بار سب سے زیادہ بے مصرف وسائل

---

۳۷ "عام نظریہ" از کینس صفحہ ۲۲۱ -

پر پڑتا ہے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر زکوٰۃ افراد کو اِس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے بیکار ذرائع کو معاشرے کے اعلیٰ مقاصد کے حصول میں لگائیں۔ بہت سے ممالک نے روپے کو مسلسل ذخیرہ کرنے کا خمیازہ بھگتا ہے۔ اواخر پندرہویں اور سولہویں صدی میں ہسپانیہ کی معاشی تاریخ ایسے ملک کی مثال پیش کرتی ہے جس کے معیار اُجرت پر قیمتی دھاتوں کے کثیر ذخیرے کا اثر پڑا تھا جس کے باعث اُس کی تجارت خارجہ تباہ ہو گئی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم سے چند برس قبل برطانیہ میں بیرونی قرضوں اور خرید و فروخت کی جو سہولتیں موجود تھیں اُن کے باعث شرح سود میں اندرونِ ملک تخفیف نہ ہو سکی حالانکہ کار رل روزگار کے لئے اس کی سخت ضرورت تھی۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں سیال پذیری کی خواہش نے جنون اور حرص کی شکل اختیار کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیمتی دہاتوں کی مسلسل درآمد کے باوجود بھی شرح سود میں ایسی تخفیف نہیں ہو سکی ہے جو حقیقی پیدائش دولت کے لئے ناگزیر ہے۔

شرح سود بجائے اجتماع اصل میں ممد و معاون ثابت ہونے کے جیسا کہ عام طور سے اِس کے متعلق عقیدہ تھا فی الحقیقت دنیا کی خاطر خواہ ترقی کی راہ میں مزاحم ہے۔ لارڈ کینس کے مندرجۂ ذیل فقرے اِس ضمن میں بیحد قابلِ توجہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں "کہ حقیقی اصل کی پیدائش کی راہ میں سود بہ شکل زر حائل ہے اور اگر اس رکاوٹ کو دور کر دیا جائے تو حقیقی اصل میں ایسی تیز رفتار سے اضافہ ہو گا کہ صفر شرح سود فوراً نہ سہی تو نسبتاً ایک قلیل مدت میں معقول تصور کی جانے لگے گی اس کے معنے یہ ہوئے کہ اوّلین ضرورت

یہ ہے کہ سود کی شرح میں بہ شکل زر کمی کی جائے اور یہ ایسی حالت میں ممکن ہے جبکہ زر پر بھی دوسری اشیاء کی مثل ذخیرہ اندوزی کے مصارف ہونے لگیں۔"

اِسلام، جیسا کہ اِس سے قبل ہم ذکر کر چکے ہیں زکوٰۃ کی شکل میں اصل کی ذخیرہ اندوزی پر بھی ڈھائی فیصد کا تاوان یا محصول وصول کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ وسائل یا ذرائع کو بیکار پڑے رہنے سے روکتا ہے اور انہیں کاروبار میں لگانے کی نمایاں طور پر ترغیب دیتا ہے۔ یہ ترغیب اور بھی زیادہ موثر اور معنی خیز ہو جاتی ہے جبکہ اسے پیش نظر رکھا جائے کہ اسلام نے منافع اور ایسی شراکت کو جس میں نفع اور نقصان دونوں کی ذمہ داری ہر شریک پر ہو جائز قرار دیا ہے۔

بچتیں اور شرحِ اصل: استادی معاشیین نے موجودہ معاشرے میں بچتوں کی اہمیت پر غیر معمولی زور دیا ہے اور اُنھوں نے اس کی تلقین کی ہے کہ بچتوں میں اِضافہ کا واحد ذریعہ شرح سود میں اِضافہ ہے۔ کہا یہ جاتا تھا کہ سود کی ادنیٰ شرح بچتوں میں اضافے کی راہ میں مزاحم ہوگی۔ چنانچہ اِس دلیل کو پیش کرتے ہوئے یہ کہا جاتا تھا کہ اِسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے وہ ناممکن العمل ہے اِس لئے کہ جدید معاشرے میں سود کے لین دین کی ممانعت کے باعث بچتوں کی رفتار نمایاں طور پر متاثر ہوگی اور اِس طرح اشیائے پیدائش کے لحاظ سے معاشرہ بدحال ہو جائے گا۔

لیکن یہ غلط فہمی کہ ادنیٰ شرح سود سے بچتیں متاثر ہوتی ہیں موجود

جنگ کے دوران میں قطعی طور پر دور ہو چکی ہے اِس لئے کہ ممالک متحدہ امریکہ میں ایک فی صدی شرح پر جتنی رقم پس انداز کی جا رہی ہے وہ اُس سے بہت زیادہ ہے جو زمانہ ماضی میں پس انداز کی گئی تھی جبکہ سود کی اعلیٰ شرحوں کا دور دورہ تھا۔ جدید معاشی نظریئے نے یہ امر پائے ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ بچتیں شرح سود سے نہیں بلکہ شغل اصل کی مقدار سے متاثر ہوتی ہیں۔ چنانچہ سود کے اِسلامی نظریئے کا سب سے زیادہ روشن اور قابل ستائش پہلو یہی ہے کہ اس نے سود کو نیست و نابود کر کے ایک طرف شغل اصل کی بے اِنتہا گنجائش پیدا کر دی ہے تو دوسری جانب کافی بچتوں کی موجودگی کی بھی ضمانت پیدا کر دی کیونکہ بچتیں خود شغل اصل کا نتیجہ ہوتی ہیں اِس سلسلے میں لارڈ کینس کے خیالات پھر بے اِنتہا دلچسپ ہیں اِس لئے کہ اِن سے اُن خیالات کی کامل طور پر توثیق ہوتی ہے جو اِسلام نے آج سے تیرہ سو چونسٹھ سال قبل پیش کئے تھے۔

لارڈ کینس نے اِس غلط فہمی کو بے نقاب کیا ہے کہ بچتوں میں اِضافے سے شغل اصل میں بھی اِضافہ ہوتا ہے۔ جب کوئی فرد پس انداز کرتا ہے تو وہ بالواسطہ طور پر دوسروں کی بچتوں میں تخفیف کر دیتا ہے اِس طرح بحیثیت مجموعی معاشرے کی بچتوں میں اِضافہ نہیں ہوتا اور نہ ہی قرضہ کی سرکاری اور غیر سرکاری تمسکات کی مجموعی طلب بڑھتی ہے۔ پس انداز کرنے والا فرد شغل اصل کی رفتار کو راست طور پر متاثر نہیں کر سکتا قطع نظر اِس سے کہ وہ تمسکات خریدے یا نہ خریدے۔ اگر

وہ تمسکات خریدے تو دوسرے، کم تمسکات خریدتے ہیں اِس طرح اُس روپیے سے جدائی اختیار کرتے ہیں جو اُن کے پاس تھا۔ شغل اصل اور بچتوں کے باہمی تعلق پر اس اَمر کے کوئی اثرات مترتب نہیں ہوتے کہ دولت کس شکل میں رکھی جاتی ہے بہ شکل زر یا بہ شکل تمسکات۔ جس رفتار سے ایک شخص اپنی بچتوں میں اِضافہ کرتا ہے اپنے اخراجات میں تخفیف کرکے، بعینہٖ اُسی رفتار سے دوسرے افراد کی آمدنیوں میں تخفیف ہو جاتی ہے اور وہ پہلے کے مقابلے میں اُتنا کم پس انداز کرتے ہیں۔

غرض جب شغل اصل میں فی الواقعی اِضافہ ہوتا ہے تو آمدنیاں بھی اُس سطح پر پہنچ جاتی ہیں کہ بچتوں میں بھی اسی قدر اِضافہ ہو جائے لیکن اگر صرف جذبۂ پس اندازی شدت اختیار کر جائے تو آمدنیوں میں اتنی تخفیف ہو جاتی ہے کہ بچتیں بحیثیت مجموعی حسب سابق رہتی ہیں۔ اِس طرح آمدنیوں کے تغیرات کے باعث بچتوں اور شغل اصل میں مساوات قایم رہتی ہے۔ آمدنیوں کی سطح شغل اصل کی رفتار اور جذبۂ پس اندازی سے قرار پاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر جذبۂ پس اندازی یکساں رہے تو سطح آمدنی کا انحصار شغل اصل کی رفتار پر ہوتا ہے۔ یا اگر شغل اصل کی رفتار یکساں رہے تو سطح آمدنی کا اِنحصار جذبۂ پس اندازی پر ہوتا ہے۔

جذبۂ پس اندازی کے تغیر سے بچتوں کی حقیقی مجموعی مقدار متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس کا انحصار شغل اصل کی رفتار پر ہوتا ہے۔ بچتوں کی مقدار کا تعین شغل کی رفتار سے ہوتا ہے اور اگر شغل اصل کی

رفتار یکساں رہے تو سطح آمدنی جذبۂ پس اندازی کے ذریعے طے پاتی ہے۔ آمدنی کی سطح ہمیشہ ایسی ہوتی ہے جس پر شغل اصل اور بچتوں کے درمیان مساوات پیدا ہو جائے۔ کفایت شعاری کی شدت سے اجتماع اصل میں بحیثیت مجموعی اضافہ ممکن نہیں۔

سود کی بحث کا خلاصہ

گذشتہ صفحات پر مغربی نظریوں کا جو تجزیہ کیا گیا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض اس معمولی سے مسئلے پر کہ آخر سود کیوں ادا کیا جاتا ہے نہایت شدید اختلاف ہے۔ سود کا جدید ترین نظریہ لارڈ کینس نے پیش کیا ہے۔ ہم نے اُن کی تصنیف سے طویل اقتباسات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ سود محض ایک رسمی چیز ہے اور سود کی اعلیٰ شرحیں دنیا کی معاشی خوشحالی اور ترقی کی راہ میں مزاحم ہیں۔ یہ امر فی الحقیقت تعجب خیز ہے کہ لارڈ کینس جیسے مفکر بھی رسمی خیالات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور ایک صریح حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جب کینس کی تصنیف منظر عام پر آئی اُس وقت انگلستان میں شرح سود تین فی صد تھی۔ اسی لئے کینس تین فی صد شرح کو معقول تصور کرتے ہیں۔ لیکن آج حکومت حیدرآباد بھی ڈھائی فی صد شرح سود پر قرض لیتی ہے اور ممالک متحدہ امریکہ میں طویل المدت سرکاری قرضوں کی شرح سود صرف ایک فی صد رہ گئی ہے۔ بالآخر کینس اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک منضبط معاشرہ شرح

سود کو صفر تک گھٹا سکتا ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ممالک متحدہ امریکہ کی حکومت جنگ کے زمانے میں ایک فی صد پر قرض لے رہی ہے اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ اس برائے نام شرح میں بھی مزید تخفیف ہو جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ کینس، اپنے ماحول کے شکار ہو گئے ہیں اور ان میں اس قدر جراءت موجود نہیں کہ وہ صاف صاف سود کے لین دین کی مذمت کریں حالانکہ اُن کے نظریئے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی مجموعی فلاح و بہبودی کی راہ میں سود کی مقررہ شرحیں شدید طور پر مزاحم ہیں۔

اِس باب میں ہم نے اہم مغربی معاشیین کے سود سے متعلق نظریوں کی توضیح کرتے ہوئے اُن کے نقائص واضح کیئے ہیں۔ آئندہ باب میں میں سود کے اِسلامی نظریئے کو تفصیلی طور پر بیان کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کروں گا کہ کس طرح اِسے سود کے سارے موجودہ نظریوں پر تفوّق اور برتری حاصل ہے۔

سود کے اِسلامی نظریئے کے سلسلے میں ہم یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم نے صرف قرآنی آیات اور اہم احادیث سے سود کی ممانعت کو ثابت کیا ہے یہ مسئلہ کہ آیا غیر اِسلامی سلطنت میں مسلمانوں کو سود لینا چاہیئے یا نہیں اور اس کے ساتھ ہی کہ آیا ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں زیر بحث نہیں لایا گیا کیونکہ اوّل تو ہم سمجھتے ہوں کہ اِن دونوں مسائل کا ہمارے نفس مضمون سے بالراست کوئی تعلق نہیں ہے دوسرے یہ دونوں مسائل نہایت ہی وسیع فقہی مطالعہ چاہتے ہیں جس کا راقم الحروف خود کو

اہل نہیں سمجھتا۔ اِس مقالہ کے لکھنے سے ہمارا ایک مقصد اہم یہ ہے کہ عوام کے مطالعہ کے لئے ایسا معاشی مواد فراہم کر دیا جائے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ مغربی دُنیا میں بھی ایسے مفکر موجود ہیں جو سود اور موجودہ طریق بنک کاری کو معاشرے کے لئے لعنت سمجھتے ہیں اور یہ خرابیاں اِسلام نے آج سے بہت پہلے نہایت واضح طریقہ پر بیان کر دی تھیں۔

دوسرا باب

اسلام کا نظریۂ سود

قرآن کریم نے سود کے متعلق نہایت سخت اور قطعی احکام صادر فرمائے ہیں اور قرآن پاک کے مختلف حصوں میں اُن احکام کو نہایت سختی سے دُہرایا گیا ہے چنانچہ سورۂ البقرہ ع ۳۸ پارہ ۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس ۚ ذٰلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰوا ۔ واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا ۚ فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھٰی فلہ ما سلف ۚ وامرہ الی اللہ ۚ ومن عاد فاولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون ۔ یمحق اللہ الربٰوا

ويربي الصدقت والله لا يحب كل كفار اثيم ٥

(جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اُس شخص کا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے چپیٹ سے مجنوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ ان کے اس طرح کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ بیع ویسا ہی معاملہ سود۔ حالانکہ بیع تو اللہ نے حلال کیا ہے۔ اور سود کو حرام (تو سود کو بیع پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے) تو جس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ (آئندہ کے لئے) باز آئے گا تو جو پہلے (لے چکا) ہے وہ اس کا (ہو چکا) اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے اور جو ممانعت کے بعد بھی سود لے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔ اور جتنے ناشکرے ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا اُن سے راضی نہیں)۔

اِس کے بعد آگے چل کر اسی سلسلے میں قرآن پاک نے سود لینے والوں کو اس قدر سختی سے متنبہ کیا ہے کہ شائد ہی قرآن میں دوسرے گنہگاروں سے ایسی سختی سے تخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا ان كنتم مومنين ٥ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله ۚ وان تبتم فلكم رؤس اموالكم ۚ لا تظلمون ولا تظلمون ٥

وان کان ذوعسرۃٍ فنظرۃٌ الی میسرۃٍ ؕ وان

تصدقوا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون ۰

(البقرع ۳۸ پارہ ۳)

ترجمہ:۔ (مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمے باقی ہے اُس کو چھوڑ بیٹھو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ اور اس کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصلی رقم تم کو (پہنچتی ہے) نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔ اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس کو فراغت تک مہلت دو۔ اور یہ کہ خیرات کرو بہتر ہے واسطے تمہارے اگر تم جاننے والے ہو۔

اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں سود در سود کا رواج عام تھا قرآن نے صاف اور واضح الفاظ میں اس کے متعلق قطعی ممانعت کر دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں سورۃ آل عمران ۳۰ ع ۴ پارہ ۴ میں ارشاد ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً

مضعفۃً واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۰

(اے ایمان والو! سود در سود نہ کھاؤ (اصل میں مل مل کر) دُگنا۔ چوگنا (ہوتا چلا جائے) اور اللہ سے ڈرو۔ عجب نہیں آخرت میں تم فلاح پاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس قسم کے سودی کاروبار سے ان کے مال میں ترقی نہیں ہوگی اور اس کاروبار سے جو یہودیوں کا حشر ہوا۔ اُس کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیراً ۔ واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل ۔ واعتدنا للکٰفرین منھم عذاباً الیماً ۔ (نساء ۴ ع ۲۲ پارہ ۶)

الغرض یہودیوں کی ان شرارتوں کی وجہ سے ہم نے بہت سی پاک چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دی گئیں (تاکہ دائرہ رزق ان پر تنگ ہو) اور نیز اس وجہ سے کہ اکثر راہ خدا سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور نیز اس وجہ سے کہ ہرچند ان کو سود کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس پر بھی سود لیتے تھے اور اس طرح سے لوگوں کے مال ناحق خورد برد کرتے تھے۔ اور ان میں جو لوگ (خدا کا حکم) نہیں مانتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وما اتیتم من رباً لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔

(الروم ۳۰ ع ۴ پارہ ۲۱)

(اور مسلمانو!) جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مالوں میں زیادتی ہو تو وہ سود خدا کے ہاں (پھولتا پھلتا نہیں اس میں برکت نہیں ہوتی) اور (وہ) جو تم (محض) خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہی (اپنے دینے کو خدا کے ہاں) بڑھا رہے ہیں۔

قرآن پاک کے علاوہ مختلف معتبر احادیث میں بھی سودی کاروبار کے متعلق سختی سے ممانعت کرنے کا مواد ملتا ہے۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربٰوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواءٌ (مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے۔ دینے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور معاملہ سود کی گواہی دینے والے ان سب پر لعنت کی اور فرمایا کہ یہ سب ارتکاب معصیت میں برابر ہیں۔

عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زینۃً وروی البیھقی فی شعب الایمان عن

ابن عباسٍ وزاد وقال مِن سبت لحمہ من السُحتِ فالنار اولیٰ بہٖ۔ (احمد۔ دارقطنی)

حنظلہ کے بیٹے عبداللہ جن کو فرشتوں نے (اُن کے مرنے کے بعد) غسل دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بُوجھ کر کھاتا ہے (۳۶) چھتیس بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس رضؓ سے بھی روایت نقل کی ہے اور اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ جس کا گوشت حرام سے بڑھا وہ آتشِ دوزخ کا سزاوار ہے۔

عن ابی ھریرۃَ قال قال رسول اللہِ صلّی اللہ علیہ وسلم اتیت لیلۃً اسری اعلیٰ قومٍ بطونھم کالبیوت فیھا الحیاتُ سریٰ مِن خارج بطونھم۔ فقلت مِن ھؤلاءِ قال جبرئیل ھؤلاءِ اکلۃُ الربوا۔

(احمد۔ ابن ماجہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ ایسے تھے جیسے اژدہوں سے بھر پور گھر اور اژدہے پیٹوں سے باہر بھی دکھائی دیتے تھے۔ میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا یہ سود خور ہیں۔

ربا کی تشریح قرآن کریم میں سود کے متعلق اکثر لفظ رِبوٰ کا استعمال آیا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ رِبوٰا پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔

الرِّبا = الزیادۃ علیٰ شئ۔ کسی شئے میں زیادتی۔

ربوا۔ کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں مثلاً عربی زبان میں کہا جاتا ہے اربیٰ فلانٌ علیٰ فلانٍ۔ فلاں شخص نے فلاں شخص کو زیادتی دی۔

ربوٰ کے معنی عربی لغت میں زیادتی اور اضافے کے ہیں اصطلاحاً اہلِ عرب اس لفظ کو اس زائد رقم کے لئے استعمال کرتے تھے جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اس کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت سودی معاملات کی جو شکلیں رائج تھیں اور جنھیں اہلِ عرب رِبوٰ کے نام سے تعبیر کرتے تھے وہ یہ ہیں۔ مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لئے ایک مدت مقرر کر دیتا اور اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا۔ یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لئے ایک شرح طے ہو جاتی تھی اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافے کے ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی۔

مذکورۂ بالا معنے میں لفظ رِبوٰ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً

۱) وتری الارض ھامدۃً۔ فاذا انزلنا علیھا الماءَ

اھتزت وربت وانبتت من کل زوجٍ بھیج ۔

(اور تم زمین کو دبی پڑی دیکھتے ہو۔ پھر جب ہم پانی برساتے ہیں تو تازہ ہوتی ہے اور قسم قسم کی پُر رونق چیزیں اُگتی ہیں) پ۱۷ الحج ۲۲ ع ۱ ۔

۲) ومن اٰیتہ انّک تری الارض خاشعۃً فاذا انزلنا

علیھا الماءَ اھتزت وربت ۔ (پ۲۴ حٰم السجدہ ۴۱ ع ۵)

(اور اس کی نشانی یہ ہے کہ تم زمین کو دبی پڑی دیکھتے ہو۔ پھر جب ہم پانی برساتے ہیں تو تازہ ہوتی ہے اور اُبھرتی ہے)

۳) ان تکون امۃ ھی اربیٰ من امّۃٍ ۔ (پ۱۴ ۔ النحل ۱۶ ع ۱۳)

(تاکہ ایک فرقہ دوسرے فرقے سے آگے بڑھ جائے)

عربی زبان میں ربوٰ کا املا صلوٰۃ ۔ زکوٰۃ جیسا ہی ہے ۔

سود کے متعلق امام فخر الدین رازی کے خیالات

تمام فقہا اور اکثر مفسرین مثلاً ابن جریر طبری ۔ زمخشری ۔ سیوطی بیضاوی اور ابن عربی نے صرف قانونی نقطۂ نظر سے مسئلہ سود پر بحث کی ہے امام فخر الدین رازی پہلے شخص ہیں جنھوں نے سود پر معاشی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے ۔

ذیل میں اُن کی تفسیر کبیر کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

(امام رازی المتوفی ۶۰۶ھ)

امام رازیؒ فرماتے ہیں "کہ لفظ ربا کے معنی زیادتی کے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر طرح کی زیادتی وصول کرنا حرام ہے۔ بلکہ ربا کی جو حرمت ہے وہ ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جو ان (عربوں) کے ہاں ربا کے نام سے موسوم تھا۔ اور یہی ربوٰا نسیہ ہے۔ پس خدا نے جس ربوٰ کو حرام قرار دیا ہے تو اس سے یہی ربا نسیہ مراد ہے۔"

(۱) سود کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ربا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس میں ایک انسان کا مال بغیر کسی عوض کے لیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو کوئی ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں نقد یا ادھار فروخت کرتا ہے۔ تو وہ یہ زیادہ درہم بغیر کسی عوض کے لیتا ہے اور انسان کے مال سے اس کی احتیاج وابستہ ہوتی ہے جس کی بڑی حرمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت جیسی ہے۔ پس اسی وجہ سے دوسرے کا مال بغیر کسی عوض کے لینا ممنوع قرار دیا۔ اور اگر کہا جائے کہ کیوں ایسا جائز نہ ہو کہ راس المال (اصل) زائد درہم کے معاوضے میں ایک طویل مدت تک اس کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اگر راس المال (اصل) اس کے ہاتھ میں رہتا تو ممکن تھا کہ مالک مال (اصل دار) اس سے تجارت کرتا اور اس تجارت کے سبب سے وہ فائدہ حاصل کرتا۔ پس جو وہ اس کو مدیون (قرضدار) کے ہاتھ میں چھوڑتا ہے اور مدیون اس سے نفع اُٹھاتا ہے۔ تو

پھر کس لئے رب المال (اصل دار) کو زائد درہم دینے سے روک دیا گیا؟ کیونکہ یہ اس کے مال سے نفع اُٹھانے کا معاوضہ تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ جس نفع اُٹھانے کا آپ نے تذکرہ کیا ہے وہ ایک اَمر موہوم ہے جو کبھی حاصل ہوتا ہے اور کبھی حاصل نہیں ہوتا لیکن زائد درہم لینا یقینی اَمر ہے۔

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سود لوگوں کو کسب و ہنر میں مشغول ہونے سے روکتا ہے کیونکہ جب اصل دار کو سود کے ذریعے چاہے وہ نقد ہوں یا اُدھار زائد درہم حاصل ہوں تو اس کے لئے روزی کمانا (اِکتساب المعیشۃ) آسان ہو جائے گا۔ پس وہ کسب۔ تجارت اور مشقت طلب صنعتوں کی تکلیف نہ اُٹھائے گا اور اِس طرح لوگوں کے فوائد (منافع الخلق) منقطع ہو جائیں گے۔ اور یہ تو لازمی امر ہے کہ دنیاوی کاروبار بغیر تجارت۔ صنعت وحرفت اور عمارات کے چل نہیں سکتے۔

تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ معاہدہ رِبا اِس وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ قرض لوگوں کے درمیان نیک نامی وشہرت کو منقطع کر دیتا ہے جب سود ہی حرام ہو تو لوگ روپیہ قرض لینے اور اس کے مثل لوٹانے سے باز رہتے ہیں۔ اگر سود حلال ہو جائے حاجت مند شخص کی حاجت اس کو اس اَمر پر آمادہ کرے گی کہ ایک درہم کو دو درہم پر حاصل کرے۔ اِس طرح آپس کی ہمدردی نیکی اور احسان مندی ختم ہو جائے گی۔"

امام رازی آخیر میں فرماتے ہیں کہ رِبا کی حرمت قرآن سے ثابت ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ اِنسان کو جو احکامات دیئے جاتے ہیں اس کی وجہ بھی

معلوم ہو۔ پس رِبا کی حرمت نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے گو ہم اس کی وجہ نہ جانتے ہوں۔

اس کے بعد امام رازی نے اس آیت رِبوٰ جس میں "شیطان" کا ذکر ہے اس پر بحث کرتے ہوئے شیطان کے وجود پر ایک دلچسپ بحث کی ہے کہ آیا وہ انسان کو نقصان پہنچا بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اور آخر میں فرماتے ہیں کہ جاہل عرب صرع کی بیماری کو شیطان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ تو جب انہیں خطاب کیا گیا تو ایسے ہی کلمات میں کیا گیا جس کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔

انما البیع مثل الربوٰا۔ تجارت سود جیسی ہے۔

(جاہل) لوگ رِبا اور سود کو مشابہ سمجھتے تھے اور یہ کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس روپے میں خریدے اور گیارہ میں فروخت کر دے تو یہ حلال ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دس روپے کو گیارہ میں فروخت کر دے تو یہ بھی حلال ہونے چاہئیں۔ کیونکہ عقلی طور پر دونوں میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور رِبا نقد (ہاتھوں ہاتھ) میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور ربا نسیئہ (ادھار) میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ دس (روپے) کا کپڑا آئندہ سال گیارہ میں فروخت کرے تو جائز سمجھا جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے اگر کوئی شخص دس (روپے) کے بدلے آئندہ ماہ گیارہ دے تو جائز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عقلی طور پر ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور وہ (تجارت[1]) اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں آپس کی رضامندی

---

[1] تجارت۔ بیع کی فقہی کتابوں میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ "اپنے مال کو دوسرے کے

حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح یہ (سود) بھی جب آپس کی رضامندی ہو جائے تو
جائز ہونا چاہیئے۔ چونکہ خرید و فروخت احتیاجات رفع کرنے کے لئے ضروری
ہیں اور ممکن ہے کہ انسان احتیاجات لاحق ہوتے وقت نادار خالی ہاتھ ہو۔
اور مستقبل زمانے میں بے شمار دولت اس کے ہاتھ آجائے۔ پس اگر سود کو
جائز قرار نہ دیا جائے تو رب المال (اصل دار) اس کو کچھ نہ دے گا اور انسان
احتیاجات میں گرفتار رہے گا۔ اور سود جائز رہنے کی صورت میں اصل دار
زیادتی کے لالچ میں اس کو (قرض) عطا کرے گا۔ اور مدیون (قرضدار)
دولت ہاتھ آجانے پر زیادتی کے ساتھ واپس کر دے گا۔ اور مال حاصل
ہو جانے پر زیادتی ادا کرنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ شخص مال
پانے سے پیشتر احتیاجات میں گرفتار رہے۔ پس یہ اس امر کی مقتضی ہے کہ
ربا حلال ہے جیسا کہ ہم نے دیگر تمام خرید و فروخت کو حلال کر رکھا ہے۔ کہ
اس سے انسانی احتیاج پوری ہوتی ہے اور یہ ان لوگوں کا شبہ تھا۔ لیکن
خدا تعالیٰ نے ایک ہی لفظ سے اس کو روک دیا۔ جیسا کہ اس کا قول ہے کہ
خدا تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اور جو تم نے کہا کہ وہ ایسا
نص صریح ہے جو قیاس کے معارض ہے اور قیاس کرنا شیطان کا کام ہے۔
جب خدا نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو نص حکم کے ہوتے ہوئے اس نے
قیاس سے کام لیا۔ اور کہا کہ میں انسان سے بہتر ہوں کہ خدا نے مجھے آگ سے

ملاحظہ ہو حاشیہ بقیہ صفحہ (۱۰۷) مال سے بالرضا بدلنا" ہدایہ (فقہ کی مستند کتاب) کتاب البیوع۔

پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پس اگر دین بھی قیاس آرائی سے چلتا تو یہ شبہ یہاں بھی لازم آتا۔ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ دین نص سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ قیاس آرائی سے۔" (۱) تفسیر کبیر رازی آیت انما البیع مثل الربو۔

صدقات اور سود

صدقات اور سود سے بحث کرتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں کہ "دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں صدقات میں ایک شخص اپنے مال کا زائد حصہ دوسرے کو دیتا ہے۔ اور ربا میں دوسرے کا زائد حصہ خود حاصل کرتا ہے تو جس مذہب نے صدقات کا حکم دیا ہو اس میں سود کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔" پھر اس کے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ "ربا میں فی الحال زیادتی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں نقصان ہے۔ اور صدقہ صوری حیثیت سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔ مگر معناً وہ بڑھوتری ہے وجہ یہ ہے کہ بظاہر سود خوار کا مال بڑھتا ہے لیکن انجام فقر ہوتا ہے۔" جو شخص باوجود ممانعت کے سود لیتا ہے تو اس کے مال سے برکت رخصت ہو جاتی ہے۔ رسولؐ کریم نے فرمایا ہے ربا زیادہ ہو تو کم ہو جاتا ہے۔

اگر اس کا مال کم بھی نہ ہو تو پھر بھی انجام کار سود خوار کی مذمت کی جاتی ہے۔ اس سے انصاف ساقط ہو جاتا ہے بدنام ہو جاتا ہے۔ اور کینہ پرور سخت دل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب مفلس لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ سود خوار ان کا مال سود کے ذریعے حاصل کر رہا ہے تو اس کو لعنت بھیجتے ہیں اور بددعا دیتے ہیں اور یہ اس کے جان و مال سے خیر و برکت کو رخصت

کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ جب یہ بات عوام النّاس میں مشہور ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص نے سود کے ذریعے سے مال جمع کیا ہے تو لالچی لوگ اس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح ہر ایک ظالم۔ چور اور لالچی اس کی دولت لینے کا ارادہ کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ اس کا مال نہیں اس لئے اس کو اس کے ہاتھ نہ چھوڑنا چاہیئے۔

"بے شک دنیاوی مال موت کے بعد باقی نہیں رہتا مگر بدنامی اور گناہ باقی رہتا ہے جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔"

سود در سود کی ممانعت

لَا تَاکُلُوا الرِّبٰوا ......

"سود در سود نہ کھاؤ" کی آیت کے متعلق قفال ؒ نے کہا ہے ممکن ہے کہ یہ آیت پچھلی آیتوں سے متصل ہو کہ مشرکین سود سے جمع کئے ہوئے مال کو اپنے لشکروں پر خرچ کرتے تھے بس یہ ممکن تھا کہ مسلمان بھی سود کی طرف اقدام کر بیٹھیں اور مال جمع کرلیں۔ اور اس کو لشکر پر خرچ کریں اور ان سے انتقام لینا ممکن ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ خدا نے اسی سبب سے ان کو اس سے روک دیا۔"

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

"تو مقروض پر ظلم ہو کہ اس سے رأس المال (اصل) پر زیادتی طلب کی جائے اور نہ تمہارے رأس المال (اصل) میں کمی ہو کہ تمہیں نقصان اٹھانا پڑے۔"[۲]

---

۲ - صفحہ ١١ - جامع البیان - از ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری

سود کے متعلق مزید اسلامی احکامات کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ماقبلِ اسلام زمانے میں عرب کے سودی کاروبار کا تفصیلی تذکرہ کر دیں کیونکہ اس پس منظر سے قرآنی احکامات سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

جاہلیت میں سودی کاروبار کے طریقے

(۱) طائف (۲) مکّہ اور (۳) مدینہ میں سود کا کاروبار

طائف:۔

قبیلۂ ثقیف جاہلیت میں بنو مغیرہ کو قرض دیتے تھے جب مدت ادائیگی آپہنچی تو وہ (بنو مغیرہ) کہتے کہ ہم زیادہ دیں گے تم ہمیں مہلت دو۔"

(جامع البیان تفسیر طبری جلد ۴ صفحہ ۵۵)

" جاہلیت میں ثقیف کے سود لینے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی شخص کو کسی مدت تک کے لئے قرض دیتے تھے جب مدت ادائیگی آتی تو قرضخواہ مقروض سے کہتا یا تو تو مجھے میری رقم ادا کر یا زیادتی دے۔ اگر مقروض کے پاس مال ہوتا تو دے دیتا وگرنہ ایک سال اور آگے بڑھا دیتا چنانچہ

ملاحظہ ہو بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۱۰) طبری۔ تاریخ پیدائش ۲۲۴ھ وفات ۳۱۰ھ طبری مشہور مورخ اور مستند مفسر قرآن ہے" ان کی تصنیفات میں وہ مشہور تاریخ ہے کہ عربی تاریخوں میں کوئی تاریخ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہیں نیز وہ تفسیر ہے کہ اب تک اس کے مثل دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی" تفسیر ۳۰ جلدوں میں ہے۔

اگر ایک سال والی اُونٹنی واجب الادا ہوتی تو دوسرے سال دو سال والی اُونٹنی طلب کرتا ورنہ پھر تیسرے سال ایسی اونٹنی طلب کرتا جس کی عمر تین سال ختم ہو کر چوتھا سال شروع ہوا ہو پھر بھی اگر ادائیگی نہ ہوتی تو ایسا اُونٹ طلب کرتا جس کی عمر چار سال ختم ہو کر پانچواں شروع ہوا ہو۔ پس اِس طرح یہ سلسلہ چلتا۔

زر میں بھی یہی طریقہ تھا۔ مقروض ادا نہ کر سکے تو دوسرے سال دُگنا وصول کرتا تھا۔ چنانچہ اگر سو روپئے واجب الادا ہوتے تو دوسرے سال دو سو کا مطالبہ کرتا۔ اگر پھر بھی نہ دیتا تو تیسرے سال چار سو کا مطالبہ کرتا اس طرح سے یہ دُگنا ہوتا چلا جاتا تا وقتیکہ مقروض ادا کر دیتا۔

" طائف میں قبیلہ ثقیف کے چار بھائی مسعود۔ عبد یالیل۔ حبیب بن عمرو۔ بن عمر ثقفی تھے۔ یہ بنو مغیرہ (قریش مکّہ کی ایک شاخ) کو قرض دیتے تھے اور وہ اُنھیں سود ادا کرتے تھے جس وقت رسولِ اکرم طائف تشریف لے گئے تو یہ چاروں بھائی مشرف بہ اسلام ہوئے اور بنو مغیرہ سے سود طلب کئے۔ بنو مغیرہ نے کہدیا بخدا ہم اسلام میں سود نہ دیں گے اور خدا نے اس کو مسلمانوں سے ہٹا دیا ہے۔ غرض وہ اپنے اِس قضیہ کو عتاب ابن السید کے پاس لے گئے اور یہ مکہ میں رسول اللہ کے گورنر تھے عتاب نے فریقین کے قضیہ کو لکھ کر آنحضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ سود کی رقم بہت بڑی رقم تھی۔ پس خدا نے یہ آیت نازل کی کہ " وذروا ما بقی من الربوا " باقی سود طلب نہ کرو۔" (تفسیر خازن جزو اوّل صہ ۲۳۴)

نیز جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ طبری۔ جزء ثالث صفحہ ۶۶۔

رسول کریم نے طائف کے باشندوں سے جو معاہدہ کیا تھا اُس میں بھی سود نہ لینے کے متعلق تذکرہ تھا۔ چنانچہ ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ نے اپنی کتاب "کتاب الاموال" میں معاہدے کو پورے متن کے ساتھ نقل کیا ہے۔ سود کے متعلق دستاویز کے یہ الفاظ ہیں:۔

کہ "وما کان لھم فی الناس من دینٍ فلیس علیھم الا راسہ"

(کتاب الاموال۔ ابو عبید قاسم بن سلام صفحہ ۱۹۲ فقرہ ۵۰۶)

"لوگوں کے ذمے اُن کا جو قرض ہے تو اس میں سے ان کو (ثقیف کو) صرف رأس المال (اصل) ملے گا۔"

مکے میں سودی کاروبار۔ اہل مکہ سودی کاروبار کرتے تھے فتح مکہ کے وقت جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو خدا نے حکم دیا کہ رأس المال لے لیں اور سود طلب نہ کریں۔"

(تفسیر کبیر رازی پ۳ بقرہ ع ۳۸۔ آیت لا تاکلوا الربوا)

"حضرت عباس اور خالد بن ولید نے زمانہ جاہلیت میں شراکت کی تھی اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ اور بنو عمرو بن عمیر کو جو قبیلۂ ثقیف (طائف کا ایک قبیلہ) کے لوگ تھے سودی قرض دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اُنھیں سود کی بہت بڑی رقم واجب الوصول تھی جو انھوں نے چھوڑ دی۔

(تفسیر خازن جزء اول صفحہ ۲۰۳ آیت (وذروا ما بقی من الربوٰا)

"حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عباس بن عبد المطلب دونوں کھجور کا سودا کیا کرتے تھے جب کھجور توڑنے کا زمانہ آتا تو کھجور والا کہتا کہ اگر تم اپنا حق پورا لے لوگے تو میرے بال بچوں کے لئے کچھ نہ رہے گا اگر تم دونوں صرف نصف کھجور لو اور نصف میرے لئے چھوڑ جاؤ تو میں تمہیں دُگنا دوں گا چنانچہ یہ دونوں ایسا ہی کرتے اور جب مدت ادائیگی آپہنچی تو اس سے زیادتی طلب کرتے۔ یہ بات آنحضرت تک جا پہنچی۔ آپ نے اس سے ان دونوں کو منع فرما دیا۔ پس اِن دونوں نے آپ کی بات سُن لی اور سر تسلیم خم کیا اور صرف راس المال (اصل) لے لیا۔

(تفسیر کبیر رازی پ۳۔ بقرہ۔ ع ۳۸۔ آیت (لا تاکلوا الربٰوا)

جاہلیت میں جو مکہ میں رِبا کا طریقہ رائج تھا طائف کے طریقہ سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ وہ یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی پر ایک مدت تک کے لئے قرض واجب الادا ہوتا جب مدت ادائیگی آپہنچتی تو وہ دریافت کرتا کہ آیا تو ادا کرتا ہے یا زیادتی کرتا ہے؟ اگر اُس کے پاس کچھ ہوتا تو وہ ادا کر دیتا ورنہ اس سے ایک سال اور آگے بڑھا دیتا۔ اگر ایک سال کی اونٹنی واجب الادا ہوتی تو دوسرے سال دو سال عمر والی اُونٹنی طلب کرتا۔ پھر تیسرے سال تین سال عمر والی اُونٹنی طلب کرتا۔ پھر چوتھے سال چار سال کا اونٹ طلب کرتا اور اِسی طرح اس کے آگے سلسلہ چلتا۔ اور جگہ بھی یہی طریقہ رائج تھا۔ کہ مقروض کے پاس رقم نہ ہوتی تو اس کو آئندہ سال دُگنا دینا پڑتا۔ پھر اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو

اُس کا دُگنا کر دیتا یعنی اگر سو۱۰۰ واجب الادا ہوتے تو دوسرے سال دو سو۲۰۰ طلب کرتا پھر بھی نہ دیتا تو اس کے بعد کے سال چار سو طلب کرتا۔ اِس طرح ہر سال دُگنا کر دیتا یا مقروض قرض ادا کر دیتا۔"

(جامع البیان۔ تفسیر طبری جزء رابع صفحہ ۵۶۔ آیت "لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضعفۃ"

"کسی شخص پر کسی کا مال ایک مدت کے لئے رہتا جب مدت ادائیگی پہنچتی تو قرضخواہ مقروض سے مال طلب کرتا۔ مقروض کہتا کہ تو قرض کی ادائیگی کی مہلت بڑھا دے۔ میں زیادتی دوں گا۔ چنانچہ دونوں ایسا ہی کرتے یہی سود در سود تھا۔"

(جامع البیان۔ تفسیر طبری جزء رابع صفحہ ۵۵۔ آیت "لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضعفۃ"

"جاہل لوگوں میں کسی کا مال کسی پر واجب الادا ہوتا تو جب مدت ادائیگی آ پہنچتی تو اس سے مطالبہ کرتا۔ پس مقروض قرضخواہ سے کہتا تو مدت میں توسیع کر دے میں مال میں زیادتی کر دوں گا۔

(تفسیر خازن جزء اوّل صفحہ ۲۴۳۔ مطبوعہ مصر)

"کسی شخص کا کسی پر کچھ قرض ہوتا۔ مقروض قرضخواہ سے کہتا کہ میں تجھے اِتنا زیادہ دوں گا تو مجھے مہلت دے۔"

(السنن الکبریٰ۔ بیہقی۔ الجزء الخامس۔ کتاب البیوع۔ ابواب الربا)

(مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد۔ دکن)

"زمانۂ جاہلیت میں کچھ مدت کے لئے کسی شخص کا کچھ مال دوسرے پر واجب الادا ہوتا۔ جب ادائیگی کا زمانہ آپہنچتا تو قرضخواہ دریافت کرتا کہ آیا تو ادا کرتا ہے یا سود دیتا ہے۔ پس اگر وہ ادا کرتا تو لے لیتا ورنہ بصورت دیگر مدت بڑھا کر زیادتی طلب کرتا۔"

(السنن الکبریٰ۔ بیہقی۔ الجزء الخامس۔ کتاب البیوع۔ ابواب الربا)

ربوٰ کی دو قسمیں ہیں۔ (١) ربوا نسیہ (ادھار) اور (٢) ربوٰ فضل (نقد) ربوا نسیہ (ادھار) جو جاہلیت میں مشہور اور رائج تھا یہ تھا کہ وہ لوگوں کو مال دیتے اور ہر مہینہ کچھ مقررہ سود لیتے تھے اور راس المال (اصل) باقی رہتا تھا۔ پھر جب قرض کی ادائیگی کا وقت آپہنچتا تو قرضخواہ راس المال (اصل) طلب کرتا اگر ادائیگی میں لیت و لعل کرتا تو رقم اور مدت میں اضافہ کر دیتا اور اس کو ربوٰ کہتے تھے یہ جاہلیت میں رائج تھا۔ اور ربا نقد یہ تھا کہ گیہوں کو گیہوں سے اور جو کو جو سے بدلے۔

جاہلیت میں ربوٰ کا یہ طریقہ تھا کہ کسی شخص کا کسی پر کچھ مدت تک کے لئے کچھ حق ہوتا تھا۔ جب ادائیگی کا زمانہ آتا تو قرض خواہ مقروض سے دریافت کرتا کہ آیا تو ادا کرتا ہے یا سود دیتا ہے۔ پس اگر دے دیتا تو اس سے کچھ زائد نہ لیتا ورنہ مدت بڑھا کر سود وصول کرتا۔

(الدر المنثور سیوطی۔ جزء اوّل۔ صفحہ ٣٦٥)

جس ربوٰ سے خدا نے منع کیا ہے وہ یہ تھا کہ کسی شخص پر کسی کا کچھ قرض ہوتا تھا مقروض کہتا میں تجھے اتنا اتنا دوں گا تو مجھے مہلت دے۔"

(جامع البیان - تفسیر طبری - جز ۴، رابع ص ۶۳)

"جاہل عرب ایک مدت مقررہ کے لئے قرض دیتے تھے۔ چنانچہ جب قرض کی ادائیگی کا زمانہ آتا تو قرض خواہ مقروض سے قرض یا سود کا مطالبہ کرتا۔ اب اگر وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تو اس پر قرض کو دگنا کر دیتا تھا۔ مثلاً ایک سال کی اُونٹنی ہوتی تھی تو اس کو دو سال کی اور اگر ایک پیمانہ غلہ ہوتا تو اس کو دو پیمانے کر دیتا۔"

(تاریخ التشریع الاسلامی - علامہ محمد الخضری مرحوم)

مدینہ میں سود کا رواج

"سعید بن ابی بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں مدینہ گیا تو عبداللہ بن سلام سے ملا اُنھوں نے کہا کہ تم کیوں نہیں آتے؟ تاکہ ہم تمہیں ستو اور کھجور کھلائیں اور تم ایک (باعظمت) گھر میں داخل ہو۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ تم ایک ایسے ملک میں رہتے ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے۔ لہٰذا جب کسی شخص پر تمہارا کچھ قرض ہو اور وہ تمہیں گھاس کا گھٹا یا جو کا بوجھ یا چارے کا بوجھ بھیجے تو اس کو نہ لینا کیونکہ یہ بھی سود ہے۔"

(بخاری پ ۱۵ نمبر حدیث ۸۹۵ مناقب عبداللہ بن سلام)

کان الرجل منھم یربی الی اجل ثم یزید

فیہ بزیادۃ الاخری حتی یستغرق بالشیٔ الطیف

مال المدیونہ

(تفسیر بیضاوی۔ جلد اوّل صفحہ ۱۵۴) مطبوعہ نول کشور پریس۔

ترجمہ:۔ "ان میں کا کوئی شخص ایک مدت کے لئے سودی قرض دیتا ہے پھر اس میں زیادتی کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ مقروض کا سارا مال ایک تھوڑے سے قرضے کے پیچھے تباہ و برباد ہو جاتا تھا۔"

"کسی شخص کا کسی پر ایک مدت تک کے لئے مال واجب الادا ہوتا پس جب مدت ادائیگی آپہنچتی تو شخص مذکور مال لینے کے لئے آپہنچتا اور جس سے مال واجب الوصول ہوتا وہ کہتا کہ تو اپنے قرض کی مدت کو بڑھا دے میں تیرے مال میں زیادتی کر دوں گا۔ پس دونوں ایسا ہی کرتے اور یہی وہ سود در سود ہے جس کو اسلام میں خدا نے روک دیا ہے۔"

"زمانۂ جاہلیت میں کسی شخص پر ایک معینہ مدت کے لئے دس درہم واجب الادا ہوتے۔ جب مدت آپہنچتی اور مقروض کے پاس مال نہ ہوتا تو قرضخواہ کہتا کہ تو مال میں زیادتی کر دے میں مدت میں توسیع کر دوں گا پھر بسا اوقات ۲۰۰ سو کر دیتا پھر جب دوسری مدت ادائیگی آپہنچتی تو ایسا ہی کرتا رہتا اور اس ۱۰۰ سو کے بدلے اس سے کئی گنا زیادہ وصول کرتا۔ سود در سود سے یہی مراد ہے۔"

(تفسیر کبیر رازی پ ۴ آل عمران ع ۱۴۔ لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً)

اَحادیث صحیحہ سے رِبٰوا کے متعلق احکام

تفسیر کی کتابوں میں سود کے متعلق مواد متعلقہ آیتوں کے ضمن میں

ملتا ہے اور حدیث کی کتابوں میں عموماً کتابُ البیوع اور باب الربا میں ملتا ہے۔

بیوع = واحد بیع، خرید و فروخت۔

کتاب البیوع۔ خرید و فروخت کی کتاب۔

اَحادیث سمجھنے سے پہلے یہ بات ضرور یاد رکھی جائے کہ اَحادیث یا فقہہ کی کتابوں وغیرہ میں سود کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں کہ ربا کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ ربا نسیہ = اُدھار۔

۲۔ ربا فضل = نقد۔

ربا نسیہ تو وہی ہے جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا کہ ایک شخص اپنا مال دوسرے کو دیتا تھا اور ایک مقدار معین کا ہر ماہ فائدہ حاصل کرتا تھا۔ اور راس المال (اصل) باقی رہتا تھا۔ قرض خواہ مدت ادائگی پر قرض کا مطالبہ کرتا تھا۔ اگر مقروض ادا کر سکتا تو قرض خواہ اپنے رأس المال (اصل) اور مدت ادائیگی میں زیادتی کر دیتا۔ پس یہ ربا کا وہی طریقہ تھا جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا۔

ربا نقد یا ربا فضل یہ ہے کہ گیہوں سے گیہوں یا اس سے مشابہ اشیاء کو بدل لینا۔ حدیثوں میں عموماً صرف ربا نقد سے بحث کی گئی ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہؐ

الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ، والبر بالبر
والشعیر بالشعیر، التمر بالتمر والملح بالملح مثلاً
بمثلٍ سواءً بسواءٍ، یداً بیدٍ، فاذا اختلف ھٰذہ الا
صناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بیدٍ۔

(راوہ، بخاری ومسلم۔ کتاب البیوع۔ باب الربا۔)

ترجمہ:۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے بدلے میں۔ چاندی کو چاندی کے بدلے میں۔ گیہوں کو گیہوں کے بدلے میں اور جو کو جو کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں فروخت کرو تو برابر۔ برابر۔ ٹھیک ٹھیک۔ اور دست بدست پھر اگر قسم بدل جائے تو جس طرح چاہو دست بدست فروخت کرو۔

عن ابی سعید الخذری قال قال رسول اللہؐ
لا تبیعوا الذھب بالذھب الّا مثلاً بمثلٍ
ولا تبیعوا بعضھا علیٰ بعضٍ ولا تبیعوا الورق
بالورقِ الاّ مثلاً بمثلٍ ولا تبیعوا بعضھا علیٰ
بعضٍ ولا تبیعوا منھا غائباً بناجزٍہ

(بخاری - کتاب البیوع -)

ترجمہ :- حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر اور ایک کو دوسرے سے کم زیادہ کرکے نہ بیچو اور چاندی کو چاندی کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر اور ایک کو دوسرے سے کم زیادہ کرکے نہ بیچو اور ان میں سے کسی غائب کو حاضر کے عوض میں نہ بیچو۔

عن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین.

ترجمہ :- "حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا ایک دینار کو دو دیناریں اور ایک درہم کو دو درہم میں نہ بیچو۔

(بخاری - کتاب البیوع -)

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو چاندی کو چاندی کے عوض خریدتا ہو - عام طور پر ایک ملک کے چاندی کے سکے کو دوسر ملک کے چاندی کے سکے سے بدلا جاتا ہے ۔لیکن مختلف سکے حاصل کرنے کے لئے بٹاون دینا پڑتا ہے۔

آنحضرتؐ کی نظر بین الاقوامی تھی۔ آپ تمام دنیا میں بین الاقوامی سکے چاہتے تھے۔ اس زمانے میں بھی رومی سکے گراں ہوتے تھے۔ اور اُن کی قدر ایرانی سکوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی تھی، کیونکہ ایرانی سلطنت

کمزور ہونے سے اُن کی ساکھ گر رہی تھی۔

عن عمر قال قال رسول اللہ صلعم الذہب بالورق ربوًا الاھآء وھآء البر بالبر ربوًا الاھآء وھآء والشعیر بالشعیر ربوًا الاھآء وھآء والتمر بالتمر ربوًا الاھآء وھآء ٥

(بخاری ۔ کتاب البیوع ۔ نمبر حدیث ۱۹۱۷)

ترجمہ ۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سونا چاندی کے عوض میں فروخت کرنا ربوٰا ہے ۔ مگر اس صورت میں کہ دست بدست ہو اور گیہوں گیہوں کے عوض میں بیچنا ربوا ہے مگر اس صورت میں کہ دست بدست ہو ۔ اور کھجور کھجور کے عوض بیچنا ربوٰ ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو اور جو کے عوض جو بیچنا ربوٰ ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو۔

مالک بن اوس سے روایت ہے ۔ کہ انھیں ۱۰۰ سو دینار (اشرفی) کے بدلنے کی ضرورت پڑی تو وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت طلحہ بن عبید نے بلوا بھیجا ۔ پھر ہم دونوں نے معاملہ کی گفتگو کی یہاں تک کہ ہم نے تبادلہ طے کر لیا ۔ اور سونا (مجھ سے) لے کر اپنے ہاتھ میں اُٹھنے لگے اس کے بعد اُنھوں نے کہا کہ اتنا انتظار کرو کہ میرا خزانچی مقام عام سے آجائے حضرت عمرؓ اِس گفتگو کو سُن رہے تھے ۔ انھوں نے کہا کہ اے مالک بن اوس

تمہیں خدا کی قسم تم طلحہ کو نہ چھوڑنا جب تک کہ اُن سے روپیہ نہ لے لینا کیونکہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ سونا چاندی کے عوض بیچنا ربوا ہے۔ مگر یہ کہ دست بدست اور کھجور کھجور کے عوض بیچنا ربوٰ ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو۔
(بخاری و نیز مسلم ۔ کتاب البیوع)

رسولؐ اکرم نے سود لینے والے اور دینے والے پر لعنت کی ہے۔
(بخاری)

عن ابنِ مسعودٍ قال لعن رسُول اللّٰہ کل الرّبا و موکلہٗ و شاھدہٗ و کاتبہ۔ وھم سوَاءٌ
(مسلم۔ ترمذی)

ترجمہ:۔ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم نے سود کھانے والے دینے والے گواہ بننے والے اوراس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ اور وہ سب برابر ہیں۔

حضرت ابو سعید خُدری حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں رسول خدا نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا وہ کچھ عمدہ کھجور آپ کے پاس لایا۔ رسولِ خدا نے دریافت کیا کہ کیا خیبر کے سب کھجور ایسے ہی ہیں۔ اس نے کہا نہیں بخدا اے رسول اللہ ہم ان کھجوروں کا ایک صاع دیگر کھجوروں کے دو صاع کے عوض میں خرید لیتے ہیں۔ رسولؐ خدا نے کہا ایسا نہ کرو۔ تم ان کھجوروں کو پہلے درہم کے عوض میں فروخت کرو

پھر درہم سے عمدہ کھجور خرید لیا کرو۔

(بخاری۔ کتاب البیوع)

حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ ایک دن بلال رضؓ نبی اکرمؐ کے پاس کچھ ہری کھجور لائے۔ رسول اکرم نے ان سے پوچھا یہ کہاں سے لائے؟ بلال رضؓ نے کہا ہمارے پاس کچھ خراب کھجور تھے ہم نے ان کے دو صاع[1] کے عوض میں ایک صاع لیا ہے۔ تاکہ نبی کریمؐ کو کھلائیں۔ نبی کریم نے یہ سن کر فرمایا اوہ اوہ (کلمۂ نفرت) یہ تو بالکل سود ہے۔ ایسا نہ کرو بلکہ جب تم (عمدہ کھجور) مول لینا چاہو تو (خراب) کسی اور شئی کے عوض انہیں فروخت کردو۔ پھر اس چیز کے عوض میں (عمدہ کھجور) خرید لیا کرو۔

(بخاری) کتاب البیوع)

"حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہمیں مختلف قسم کے کھجور ملتے تھے اور ہم ان کے دو صاع عمدہ کھجوروں کے ایک صاع کے بدلے میں فروخت کر ڈالتے تھے۔ تو نبی کریمؐ نے فرمایا کہ دو صاع ایک صاع کے بدلے نہ فروخت کئے جائیں اور نہ ایک درہم دو درہم کے عوض۔

(بخاری۔ کتاب البیوع)

متذکرۂ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چاندی سونے اور نہ صرف چاندی سونے بلکہ ان تمام چیزوں کے بیچنے اور بدلنے کی دو صورتیں ہیں جو ماپ تول میں آتی ہیں ایک یہ کہ جن دو چیزوں کی باہم خرید و فروخت ہوتی ہے یا ان کا

[1] پیمانہ کا نام

تبادلہ کیا جاتا ہے ایک ہی جنس کی ہوں جیسے چاندی کی بیع چاندی سے اور جَو کی جو سے اس صورت میں صحت بیع کے لئے شرط ہے دونوں کا برابر ہونا اور اس کے علاوہ دست بدست ہونا۔ وعدہ ہوگا تو یا تول میں کمی ہوگی یا ایک چیز موجود ہوگی اور دوسری غائب۔ یہ بیع ناجائز و حرام ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں چیزیں مختلف ہوں مثلاً چاندی کو سونے سے اور گیہوں کو جَو سے بدلنا اور دو سیر کھجوروں کے عوض سیر بھر پنیر یا روغن لینا درست ہے بشرطیکہ دست بدست ہو۔ دست بدست نہ ہو مثلاً گیہوں تو آج دے اور جَو کل لے تو یہ بیاج ہے۔ مطلب یہ کہ کسی چیز کو اس کی ہم جنس کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا بدلنا ہی سود ہے۔ نکمی چیز کو عمدہ چیز سے بدلنا چاہے تو نکمی چیز کو اس کی غیر جنس کے ساتھ بیچ ڈالے۔ پھر اس سے عمدہ چیز خرید لے کہ یہ سود نہیں کیونکہ جنس بدل گئی۔ اور جنس بدل گئی تو کمی بیشی کا مضائقہ نہیں۔

اَحادیث مذکورۂ بالا سے یہ ثابت ہوگیا کہ سونے، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور، نمک میں سے ہر ایک کو اس کی جنس سے ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ بدلنا ناجائز اور حرام ہے ہاں اگر جنس میں اختلاف ہو تو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا بدلنا درست ہے۔ بشرطیکہ ادھار نہ ہو بلکہ دست بدست ہو۔ لیکن بحث طلب اَمر یہ ہے کہ کیا صرف اِنہی چھ چیزوں میں خصوصیت کے ساتھ ربوٰ ہے یا اور چیزیں بھی اس میں شامل ہے۔ اِس بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ربوٰ انہی چھ چیزوں پر منحصر ہے

اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جو چیزیں ناپ تول میں آتی ہیں سب اُس میں داخل ہیں پھر جو چیزیں ماپ تول میں آتی ہیں ان میں بھی فقہا کا اختلاف ہے۔ جیساکہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ شاہ عبد الحق صاحب اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:۔

" واضح ہو کہ حدیث میں یہی چھ چیزیں خصوصیت کے ساتھ واقع ہوئی ہیں اور مجتہدوں نے اور چیزوں کو بھی ان پر قیاس کیا ہے۔ جیسے مثلاً چونہ۔ اور تمام اقسام کے غلے اور ہر ایک کی جداگانہ علت بیان کی ہے۔ مگر اصحاب ظواہر جو قیاس کے منکر ہیں اِن ہی چھ چیزوں میں ربوٰ کو ثابت کرتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں اور اس کی تفصیل اور جو مسائل اس میں متفرع ہوتے ہیں، ان کی تشریح فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

احادیث کے بیان کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختلف مستند فقہا نے جو ربوٰ کی تشریح کی ہے اس کو بھی پیش کر دیں۔ چنانچہ درمختار میں لکھا ہے۔

دما نصّ الشّارع علیٰ کونہ کیلیًا کبرّ وّ شعیرٍ وتمرٍ وملحٍ او وزنیاً کذھبٍ و فضۃٍ فھو کذٰلک لا یتغیّر ابداً فلم یصح بیع حنطۃٍ بحنطۃٍ وّزناً کما لو باع ذھباً بذھبٍ او فضۃٍ بفضۃٍ کیلاً ولو مع التساوی

لان النص اقوی من العرف فلا یترك الاقوی بالادنی وما لم ینص علیه حمل علی العرف رنجه الکمال وخرج علیه سعدی افندی استقراض الدراھم عددا وبیع الدقیق وزنا فی زماننا یعنی بمثله وفی الکافی الفتوی علی عادۃ الناس۔

ترجمہ:۔ اور شارع نے گیہوں اور جَو کو پیمانے سے اور کھجور اور نمک کو سونے اور چاندی کی طرح وزن میں شمار کیا تو ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ لہذا گیہوں کو گیہوں کے ساتھ تول کر فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے پیمانے سے فروخت کرے چاہے برابر برابر ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ عرف عام کے مقابلہ میں نص زیادہ قوی ہیں لہذا ادنیٰ کی خاطر قوی کو ترک نہیں کیا جائے گا جیسا کہ سعدی افندی نے درہموں کو گن کر دینے اور آٹے کو تول کر فروخت کرنے کی بابت کہا ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہوتا ہے۔ اور کافی بھی ہے کہ فتویٰ لوگوں کی عادت پر ہے۔

قال الرازی اعلم ان الربا قسمان ربا النسئۃ وربا الفضل۔ اما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھوراً متعارفا فی الجاھلیۃ وذالك انھم کانوا

یدفعون المال علیٰ ان یاخذ وا کل شہرٍ قدرًا معیناً ویکون رأس المال باقیاً ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والا جل فھذا ھوالربا الذی کانوا فی الجاھلیۃ یتعاملون بہ واما ربا الفضل فھوان یباع من الحنطۃ بمنوین منھا ما اشبہ ذالک ۔

ترجمہ :۔ رازی کہتے ہیں واضح ہو کہ سود کی کل دو قسمیں ہیں ایک نقد اور ایک اُدھار۔ ادھار سود تو وہ ہے جو زمانۂ جاہلیت میں مشہور (متعارف عام) تھا۔ کہ لوگ اپنا مال دوسروں کو اس شرط پر قرض دیتے کہ ہر مہینہ مقدار معین فائدہ لیں گے اور اصل رقم جوں کی توں برقرار رہے گی معاملہ ہوگیا پھر جب میعاد قرض گذر جاتی تو قرض خواہ مقروض سے اپنے اصل رقم کا مطالبہ کرتے مقروض اگر اس وقت قرضہ نہ ادا کر سکتا تو قرض خواہ اپنے حق (اصل) اور مدت میں توسیع کر دیتے۔ الغرض زمانۂ جاہلیت میں لوگ جس سود کا آپس میں لین دین کرتے تھے وہ صرف یہی سود تھا۔ رہا نقد سود وہ یہ تھا کہ مثلاً سیر بھر گیہوں دو سیر گیہوں سے بدل لیتے تھے اور اسی طرح ان چیزوں میں کرتے جو گیہوں کے مشابہ ہیں ۔

وقال ایضاً تحت قولہ تعالیٰ لاتاکلوا الربٰوا اضعافاً

مضعفة كان الرجل فی الجاهلیة اذا كان لہ علیٰ انسانٍ

مائة درهمٍ الی اجلٍ فاذا جاء الاجل ولم یکن المدیون

واجدًا لذٰلك المال قال زدنی المال حتی ازید فی الاجل۔

فربما جعله مائتین ثم اذا حل الاجل الثانی فعل مثل

ذٰلك ثم الی آجالٍ كثیرةٍ فیاخذ بسببٍ تلك المائة

اضعافها فهذا هو المراد من قوله اضعافًا مضٰعفة ؕ

امام رازی لاتاکلوا الربٰوا اضعافاً مضعفة کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

"زمانۂ جاہلیت میں جب ایک شخص کے دوسرے پر ایک میعاد معین کے لیے سو درہم ہوتے

تو انقضائے میعاد کے وقت اگر مقروض قرضہ نہ ادا کرتا تو قرض خواہ مقروض سے کہتا

کہ تو اصل رقم پر کچھ زیادہ کر دے میں مدت میں توسیع کر دوں گا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ

قرض خواہ سو درہم کے دو سو درہم کر لیتا اور جب دوسرا وعدہ بھی گزر جاتا اور مقروض

قرضے کی رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ پھر ویسا ہی کرتا پھر بہت مدتوں تک ایسا ہی ہوتا رہتا

اور قرض خواہ اِن سو درہموں کے ذریعے سے ان کے دوچند۔ سہ چند۔ چہار چند لے لیتا

تھا پس خدا تعالیٰ کے قول "اضعافاً مضعفة" کے یہی معنی ہیں۔

وقال القاضی البیضاوی فی تفسیرہ قوله تعالیٰ

یایها الذین اٰمنوا لاتاکلوا الربٰوا اضعافًا مضٰعفةً

لا تزید وا زیاد آیۃ مکورۃ و نعن التخصیص بحسب

الواقع اذکان الرجل منھم یربی الیٰ اجلٍ ثم یزید فیہ

بزیادۃ اخریٰ حتیٰ یستغرق بالشئ الطیف مال المدیون

ترجمہ۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی آیۃ " یا ایھا الذین امنو

لا تاکلوا الربٰو اضعافاً مضٰعفۃ " کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ دوچند سہ چند سود

نہ کھانے کے یہ معنی ہیں کہ مکرر سہ کرر رقمیں نہ بڑھاتے جاؤ اور حکم سے اضعافاً مضاعفۃً

کی تخصیص واقعہ کے مطابق ہو کیونکہ وہ لوگ ایک مدت ٹھیرا کر سود لیتے پھر مدت اور رقم میں

زیادتی کرتے چلے جاتے یہاں تک کہ مقروض کا سارا مال ایک تھوڑے سے قرضے کے

پیچھے تباہ وبرباد ہو جاتا تھا۔

قال البخاری فی تفسیر یا ایھا الذین امنوا اتقوا

اللہ وذروا ما بقی الیٰ قولہ ما کسبت وھم لا یظلمون

قال ابن عباس ھٰذہ اٰخر اٰیۃٍ نزلت علی النبی صلی اللہ

علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ امام بخاری آیۃ یا ایھا الذین امنوا الخ کی تفسیر

میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ احکام میں یہ سب سے آخری آیت ہے جو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خوج رسول اللہ

صلّی اللہ علیہ وسلّم من الدّنیا وما سألناہُ عن الرّبا.

ترجمہ:- عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور ہم نے آپ سے ربا کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ ان آخر ما نزلت ایۃ الربوا وانّ رسول اللہ علیہ وسلّم قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربوا والریبۃ ۵

ترجمہ - حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ سب سے پیچھے ربوا کی آیت اُتری - جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور ہمارے لئے آیت ربوا کی کوئی تفسیر نہیں کی تو سود اور جس میں سود کا شبہ ہو سب کو چھوڑ ہی دو۔

وفی السراج المنیر ولو اباح للمرتھن اکل ثمار البستان او لبن الشاۃ فلا بأس بہ ان لم یکن مشروطًا بہ والاصار قرضًا فیہ منفعۃٌ فیکون ربوا ولو اذن الراھن لہٗ بالانتفاع ثم ینھی عنہ فلہٗ ذٰلک لانہ متبرّع وللمتبرّع ان یمتنع عن التبرع ۵

ترجمہ:۔ سراج منیر میں لکھا ہے کہ اگر راہن نے مرتہن کو باغ (مرہونہ) کے پھل کھانے یا بکری کے دودھ پینے کی اجازت دیدی تو مرتہن کو فائدہ اٹھانے میں کوئی خطرہ نہیں بشرطیکہ مرتہن نے اس فائدہ کی شرط نہ کرلی ہو۔ شرط کرلے گا تو یہ اُس قسم کا قرضہ ہو جائے گا جس میں منفعت مدنظر رکھی گئی ہے اور جب یہ ہے تو وہ فائدہ سود ٹھیرے گا اور اگر راہن نے مرتہن کو فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدی اور پھر اس سے منع کردیا تو یہ اُس کی مرضی پر منحصر ہے کیونکہ وہ احسان کرتا ہے۔ اور احسان کرنے والا چاہے احسان کرے چاہے نہ کرے۔

قیاس: قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد ایسے اصول ہیں جن سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز ان کے مثل ہو اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس اصول کا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہمیں قرآن مجید میں کوئی اصول ملے اور حدیث میں بھی ایسا حکم وارد ہو جو اس کے ہم معنی ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ قرآنِ مجید میں بھی یہی معنی مراد ہیں (حدیث قرآنِ مجید کی توضیح کے لئے وارد ہوئی ہے) اب ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس کہیں یا وحی سمجھیں لیکن یہ صورت ہمارے خیال میں مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے۔ اس کی متعدد مثالیں بھی ہیں مثلاً

۱:۔ خدا تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور جاہلیت کے سود کا یہ طریقہ تھا کہ ایک قرض دوسرے قرض سے منسوخ ہو جاتا تھا۔ اور قرضخواہ کہتا کہ قرض ادا کردو یا سود دو۔ رسول اللہ نے بھی اس سود کو حرام کیا اور فرمایا کہ

وربا الجاهلیۃ موضوعٌ۔ اور جاہلیت کا سود مٹا دیا گیا۔
چونکہ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ جو زائد رقم سود کی صورت میں لیجاتی تھی اس کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے جن چیزوں میں اس قسم کی بلا معاوضہ زیادتی پائی جاتی تھی حدیث نے ان کو بھی ممانعت میں شامل کرلیا ہے اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔

الذّھبُ بالذّھبِ والفضّۃُ بالفضّۃِ والبرّ بالبرّ والشّعیر بالشّعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثلٍ سواءً بسواءٍ یداً بیدٍ۔ فمن زاد واذ داد فقد اربیٰ فاذا اختلفت ھٰذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذکان یداً بیدٍّ ۃ

ترجمہ:۔ سونا سونے کے بدلے میں۔ چاندی چاندی کے بدلے میں گیہوں گیہوں کے بدلے میں۔ جو جو کے بدلے میں۔ کھجور کھجور کے بدلے میں اس طرح فروخت کیا جائے کہ دونوں باہم مثل ہوں۔ باہم برابر ہوں ایک ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے۔ اب اگر ان چیزوں میں سے کسی نے بڑھایا یا کوئی شخص بڑھا تو اس نے سود لیا اور سود دیا۔ لیکن اگر یہ اقسام مختلف ہو جائیں (مثلاً جو کے بدلے کھجور لئے جائیں) تو جس طریقے سے چاہو فروخت کرو۔ بشرطیکہ ایک ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے

دیا جائے۔ (یعنی دست بدست ہو ادھار نہ ہو)

لیکن اگر ان مختلف الاجناس چیزوں کی خرید و فروخت بھی اُدھار کی جائے تو رسول اللہ نے اس کو بھی سود کی قسم میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں عوضوں میں سے ایک عوض کو ادھار پر رکھنا زیادتی کا مقتضی ہے اس معنی (یعنی زیادتی بغیر عوض) کے لحاظ سے اس میں وہ بیع سلف بھی شامل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ دو مشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب یکساں ہیں اس لئے ان دونوں کی بیع بھی اسی قسم کی ہے۔ جیسے دو متحد الاجناس چیزوں کا تبادلہ۔ اس لئے اگر اس میں زیادتی کی جائے تو بلا معاوضہ قرار پائے گی جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے۔ کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضے میں دیجاتی ہیں۔ ان میں کسی عوض کے لئے مدت اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے۔ کیونکہ موجود چیز غیر موجود چیز کے مقابلے میں صرف اسلئے دی جاتی ہے۔ کہ اس کی قیمت موجودہ چیز سے بہتر ہو اور اسی کا نام زیادتی اور سود ہے۔ اب صرف یہ بحث ہے کہ سونے چاندی اور اشیائے خوردنی کے علاوہ اور چیزوں میں اس قسم کی زیادتی کیوں جائز ہے۔ اگر اس کی وجہ واضح ہو تو جس طرح اور بہت سے مسائل اجتہادیہ مجتہدین کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے اسی طرح یہ معاہدہ بھی ان کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا لیکن چونکہ اس کی وجہ مجتہدین کو معلوم نہیں ہو سکتی اس لئے حدیث نے اس کو بیان کر دیا۔ (تاریخ التشریع الاسلامی۔ علامہ محمد الخضری)

قرآن مجید میں فقہ اسلامی کا بنیادی اُصول۔ قرآن مجید کا اعلانیہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی حالات کی اصلاح کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اور اس غرض سے اَحکامات نازل کئے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ خود فرماتا ہے۔

"یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث"

وہ اُن کو نیکی کا حکم دیتا ہے بُری باتوں سے منع کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اِن کے لئے ناپاک چیزوں کو ناپاک قرار دیتا ہے۔

عدم حرج۔ شریعت اِسلامیہ کا بنیادی اَصول تنگی کو دور کرنا ہے۔ مثلاً خداوند تعالیٰ رسول اللہ کی ایک وصف یہ بیان کرتا ہے کہ۔

ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔

اور وہ ان لوگوں سے اِس بوجھ کو اور ان بیڑیوں کو جو اِن کے اُوپر تھیں اُتار پھینکتا ہے۔

اِس کے علاوہ مزید آیتیں بھی ہیں۔

بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ۔

میں آسان اور سیدھے سادے مذہب کو لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تو اہلِ عرب میں بہت سی باتیں راسخ ہو چکی تھیں ان میں سے بعض تو ایسی تھیں جن سے کسی قوم کی نشو و نما میں کوئی ضرر نہیں پہنچتا تھا۔ لیکن بعض عادتیں مضر تھیں اس لئے شارع (خدا) اِن سے اِن کو الگ رکھنا چاہتا تھا اسی لئے اس نے اپنی حکمتِ عملی کے اقتضا سے آہستہ آہستہ اِن کے لئے اپنے حکم کو ظاہر کر دیا اور رفتہ رفتہ اپنے دین کو کمال کے درجے تک پہنچایا۔ اِس اصول کو پیش نظر رکھ کر جو شخص غور کرے گا اس کو معلوم ہوگا کہ دوسرے حکم نے پہلے حکم کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل کی چنانچہ شراب کے متعلق جیسا کہ ہم جانتے ہیں (عرب شراب کے بڑے خوگر تھے) پہلا حکم حسب ذیل ہے:۔

فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

اِن دونوں (شراب اور جوئے) میں بڑا گناہ ہے اور فوائد بھی ہیں۔ لیکن گناہ اِن کے نفع سے زیادہ ہے۔

اگرچہ ایک فقیہہ نفس اور فلسفہ تشریع کا عالم اس آیت سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس سے اِن چیزوں کی حرمت مقصود ہے۔ کیونکہ جس چیز میں گناہ کا جز غالب آتا ہے وہ عملاً حرام کر دی جاتی ہے۔ پھر دوسرا حکم یہ دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

وانتم سکاریٰ۔

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔

ظاہر ہے کہ اس ممانعت نے پہلی آیت کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کو مؤکد کر دیا۔ پھر کئی برس بعد تیسرا حکم نافذ کیا گیا۔ جس میں شراب کی کامل ممانعت کر دی گئی۔

یا ایّھا الذّین اٰمنوا انّما الخمر والمیسر۔ فاجتنبوہ۔

مسلمانو! شراب اور جوئے سے پرہیز کرو۔

قرآنی احکام پہلے اجمالاً مذکور ہوئے پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی چنانچہ اسی طرح جہاد کا حکم بھی رفتہ رفتہ دیا گیا تھا۔

مکی اور مدنی آیتوں کے موازنے اور مقابلے سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس تدریج کے قانون کو پیشِ نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کے امتناع کے متعلق قرآن میں یہ ظاہر کیا گیا کہ

(۱) سود کھانا یہودیوں کی عادت ہے کہ وہ فاسق مال کھاتے ہیں۔

(پارہ ۶ نساء ع ۲۲)

پھر مسلمانوں کو سود در سود سے روک دیا گیا۔

(۲) مسلمانو! سود در سود نہ کھاؤ۔

(پارہ ۴ آل عمران)

پھر اس کے بعد ہر قسم کا سودی لین دین ممنوع قرار دیا گیا۔

(۳) خدا نے سود کو حرام کیا اور تجارت کو حلال۔ (پ۳۔ بقر ۳ ع ۳)۔

یہاں سود سے مراد ہر قسم کا سود ہے خواہ وہ سادہ ہو یا مرکب۔

متذکرۂ بالا حقائق کی روشنی میں ہم صاف اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام نے ہر قسم کے سود کی قطعی ممانعت کی ہے۔ لیکن ان احکامات سے یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اسلام نے لین دین یا ادھار کی ممانعت کی ہے۔ یہ امر ہم سب پہ واضح ہے کہ موجودہ معاشی نظام میں اس دنیا کے کسی دور میں بھی معاشرے کا نظام لین دین اور قرض کے بغیر نہیں چل سکتا قرض کی دو نوعتیں ہیں ایک تو قرض ضروریاتِ زندگی پورا کرنے اور خانگی اُمور کے لئے لیا جاتا ہے اسے معاشیات کی اصطلاح میں قرض صرف کہا جاتا ہے۔ دوسرے قرض کاروباری ضروریات کے لئے لیا جاتا ہے۔ جسے پیدآوار قرض کہا جاتا ہے۔

پیدآور کاموں کے لئے جو قرض لیا جاتا ہے اسلام نے اس کی ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے شراکت کے کاروبارہ کو جائز قرار دیا ہے۔ موجودہ معاشی نظام میں کاروباری کاموں کے لئے جو قرض لیا جاتا ہے اس کی شرح متعین کر دی جاتی ہے اور کام کرنے والے کو خواہ نفع ہو یا نقصان قرضخواہ اپنی مقررہ رقم کی وصولی پہ اصرار کرتا ہے کاروباری منافع۔ بازاری حالات کے لحاظ سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور سود کی شرح بھی اسی لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ مگر موجودہ نظام میں جو شرح قرض لیتے وقت مقرر کر دی گئی ہو تا اختتام معاہدہ قائم رہتی ہے۔ بازاری شرح سود خواہ کچھ ہو۔

کاروباری کساد بازاری کے زمانہ میں جب منافع گھٹتا ہے اور اکثر اوقات بالکل غائب ہی ہو جاتا ہے تو یہ مقررہ شرح سود سنگِ گراں کی طرح

کاروباری خوشحالی کے راستے میں حائل ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس صورت حال کا بہترین حل تجویز کیا ہے اس نے کاروباری قرضوں کے لئے تعین شرح کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اور اصل دار کو اس امر کی تلقین کی ہے کہ وہ کاروبار میں شریک ہو جائے اور نفع و نقصان دونوں کا حصہ دار بنے۔ اشتراکیت میں سود تو اڑا دیا گیا ہے لیکن فراہمی اصل کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا۔

اصل دارانہ نظام میں اصل کا تو انتظام کیا گیا ہے لیکن اصل کی شرح معاوضہ کا تعین کر کے اصل دار اور تاجر جماعت کے درمیان ایک تضاد پیدا کر دیا ہے۔ اسلام نے اس کا حل بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے اس نے شرح کے تعین کو آزاد چھوڑ کر اصل دار اور آجر دونوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے اور دونوں کے مفاد ایک دوسرے سے وابستہ کر دیئے ہیں ایک شخص کے پاس اگر اصل ہے اور وہ کاروباری تجربہ نہیں رکھتا اور دوسرے شخص کو کاروباری تجربہ بہت حاصل ہے اور اصل نہیں رکھتا تو اسلام نے ان دونوں کو ملا دیا ہے۔ کاروباری تجربہ رکھنے والے اصل دار کے اصل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اصل داران کے کاروباری تجربے سے اسلام نے ایسی تمام جائز تجارتوں کی اجازت دی ہے جس میں اصل دار اصل لگا دیتے ہیں لیکن کاروبار میں حصہ نہیں لیتے صرف منافع یا نقصان میں مساوی شریک رہتے ہیں۔

ان حالات کی روشنی میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جہاں تک کاروباری ضروریات کے لئے اصل کی ضرورت ہے اسلامی نظام میں اس کا پورا پورا

انتظام موجود ہے۔ اب رہی خانگی قرضوں کی نوعیت۔ اسلام نے ایسے قرضوں کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔

لیکن چونکہ اس سے کوئی آمدنی حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ یہ محض ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لئے جاتے ہیں اس لئے اسلامی احکامات میں ایسے قرضوں پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس امر پر بار بار زور دیا ہے کہ مقروض کی مالی حالت اگر کمزور ہو تو قرضوں کو معاف کر دیا جائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے معمولی سود کو منع نہیں کیا۔ اور صرف سود در سود کو ہی منع کیا ہے ان کو مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ ذرا غور سے کرنا چاہیئے۔ کہ سود تو کیا اسلام نے تو محتاج لوگوں کے لئے اصل کو بھی معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

"عن ابی سعید قال اصیب رجلٌ فی عهد النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم فی ثمار ابتاعها فکثر دینه فقال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم تصدّقوا علیه فتصدّق الناس علیه فلم یبلغ ذالک وفاء دینه فقال رسول اللّٰه علیه وسلّم لغرمائه خذوا ما وجدتم ولیس لکم الا ذالک۔"

" ابو سعید کہتے ہیں کہ جناب بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص کو اس کے پھلوں پر آفت آنے کی وجہ سے نقصان ہوا۔ تو اس پر قرضہ بہت ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کی طرف روئے سخن کر کے) فرمایا کہ اسے خیرات دو۔ لوگوں نے خیرات دی مگر یہ خیرات اس کے قرضے کو پورا نہ کر سکی۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے فرمایا کہ جو تم نے پا لیا ہے اسی پر بس کرو۔ اس کے سوا تمہیں اور کچھ نہیں ملے گا "

(مسلم)

وَاِن کَانَ ذُوعُسرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلیٰ مَیسَرَۃٍ ؕ وَاَن تَصَدَّقُوا خَیرٌ لَّکُم اِن کُنتُم تَعلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا یَومًا تُرجَعُونَ فِیہِ اِلَی اللہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفسٍ مَّا کَسَبَت وَھُم لَا یُظلَمُونَ ۝

(پ۳ بقرع ۲۸)

" اور اگر (کوئی) تنگدست (تمہارا مقروض) ہے تو فراخی تک کی مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو (اصل قرضہ میں بھی) بخش دو اور اس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا "

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم تلقت الملٰئکۃ روح رجلٍ ممّن کان قبلکم قالوا اعملت من الخیر شیئًا قال کنت آمر فتیانی ان ینظروا ویتجاوزوا عن الموسر قال فتجاوزوا عنہ قال ابوعبداللہ وقال ابومالک عن ربعیٍ انظر الموسر واتجاوز عن المعسر وقال نعیم ابن ابی ھندٍ عن ربعیٍ فاقبل من الموسر واتجاوز عن المعسر“

”حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابؓ کی طرف روئے سخن کرکے) فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان میں سے ایک شخص کی روح کو فرشتوں نے (تعظیماً) آگے بڑھ کر لیا اور کہا تو نے کوئی نیک کام بھی کیا ہے اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے خدام اور گماشتوں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ گنجائش والے کو مہلت دیا کریں اور بن پڑے تو معاف کر دیا کریں۔ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس کے قصوروں کو (خدا کے حکم سے) معاف کر دیا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ابومالک نے جو ربعی سے الفاظ نقل کئے ہیں ان میں اس طرح ہے کہ میں گنجائش والے کو مہلت دیا کرتا۔ اور تنگدست کو معاف کر دیا کرتا تھا۔ اور نعیم ابن ابی ہند جو ربعی سے نقل کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں یوں ہے کہ میں

یس خوشحال آدمی کے عذر کو تسلیم کر لیتا اور مفلس کو معاف کر دیتا تھا۔

(بخاری)

عن ابی ھریرۃ عن النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم

قال کان تاجر یداین الناس فاذا رای معسراً

قال لفتیانہ تجاوز واعنہٗ لعلّ اللہ ان یتجاوز

عنا فتجاوز اللہ عنہ ؕ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی کہتے ہیں کہ جناب نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں سے قرض کا معاملہ کیا کرتا تھا (اور اس کا یہ قاعدہ تھا) کہ جب تنگدست کو دیکھتا تو اپنے گماشتوں سے کہہ دیتا کہ اسے معاف کر دو شائد خدا ہمیں معاف کر دے چنانچہ خدا نے اس کے قصور معاف کر دیئے۔

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلّم ان رجلاً کان فیمن کان قبلکم

اتاہ الملک لیقبض روحہ فقیل لہ ھل

علمت من خیر قال ما اعلم قیل لہ انظر

قال ما اعلم شیئاً غیر انی کنت ابایع الناس

فی الدنیا و اجازیھم فانظر الموسر و اتجاوز عن المعسر فادخلہ اللہ الجنۃ ۰

(صحیحین بخاری اور مسلم)

حذیفہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص تھا اس کے پاس ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے آیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے کوئی بھی بھلائی کی ہے۔ اس نے کہا میں تو نہیں جانتا۔ کہا گیا کہ اچھا غور کرکے دیکھ کہ تو نے کوئی بھی بھلائی کی ہے اس نے جواب دیا کہ مجھے اور تو کچھ معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ میں دنیا میں لوگوں سے اُدھار لین دین کیا کرتا اور ان کے ساتھ نرمی کیا کرتا تھا خوش حال کو مہلت دیتا اور تنگدست سے درگزر کرتا۔ اور رسول خدا نے کہا کہ خدا نے اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان ینجیہ اللہ من کرب یوم القیامۃ فلینفس عن معسر او یضع عنہ ۰ (مسلم)

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جسے یہ بات بھلی لگی کہ خدا اسے روز قیامت کے جانکاہ غموں سے نجات دے، تو اُسے چاہیئے کہ تنگدست مقروض کو مہلت دے یا (کل یا کچھ) قرضہ اُسے معاف کر دے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جو لوگ قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اُن کو سختی سے متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے قرضے جلد ادا کر دیں چنانچہ ابو ہریرہ کہتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ

ان مطل الغنی ظلم۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار آدمی کا (ادائے قرض میں) دیر کرنا ظلم ہے۔

اس سلسلے میں ثرید کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار کا ادائے قرض سے پہلوتہی کرنا اس کی آبروریزی اور سزا دہی کو حلال کرتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی

اللہ عنہ و من اخذ یرید اتلافھا اتلفہ اللہ علیہ۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

آپ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے مال (بہ نیت ادائے قرض) لیتا ہے خدا اس سے ادا کرا دیتا ہے اور جو لوگوں کے مال ہضم کر جانے کی غرض سے لیتا ہے خدا اس مال کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس شخص کو ادا کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

لین دین میں خوش معاملگی

لین دین میں خوش معاملگی کی جو اہمیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تمام تجارتی نظام خوش معاملگی کی بنیاد پر قائم ہے۔ خدا کی شان ہے کہ وہ قوم (مسلمان) جو دنیا بھر میں کبھی خوش معاملگی کا نمونہ سمجھی جاتی تھی آج اپنی بد معاملگی کی وجہ سے اس قدر بدنام ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لین دین کے جھگڑے اس بناء پر قائم ہوتے ہیں کہ ان معاملات کو باضابطہ طور پر ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ چنانچہ کلام پاک میں اس کے متعلق بہت واضح احکامات ہیں کہ جو معاملات ہوں اُن کی تحریر مستند گواہوں کے سامنے ہونی چاہیئے تاکہ معاملہ ہمیشہ صاف رہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا تدا اینتم بدین الیٰ اجل مُسمیً فاکتبوہُ ؕ و لیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یاب کاتبٌ ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب ؕ ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ

رَبّه ولا یبخس منه شیئاً ؕ فان کان الذی علیه الحق
سفیهاً او ضعیفاً او لا یستطیع ان یمل هو
فلیملل ولیه بالعدل ؕ واستشهدوا شهیدین
من رجالکم ؕ فان لم یکونا رجلین فرجلٌ و
وامرأتٰن ممّن ترضون من الشهداء ان
تضل احدٰهما فتذکر احدٰهما الاخریٰ ؕ
ولا یاب الشهداء اذا ما دعوا ؕ ولا تسئموا
ان تکتبوه صغیراً او کبیراً الیٰ اجله ؕ ذٰلکم
اقسط عند الله واقوم للشهادة وادنیٰ الّا
ترتابوا الّا ان تکون تجارةً حاضرةً تدیرو
نها بینکم فلیس علیکم جناحٌ الا تکتبوها
واشهدوا اذا تبایعتم ۲ ولا یضارّ کاتب
ولا شهید ؕ وان تفعلوا فانه فسوقٌ

بکمۃ واتقوا اللہ ؕ و یعلمکم اللہ ؕ واللہ بکل شئ علیم ۝ وان کنتم علیٰ سفرٍ ولم تجدوا کاتباً فرھٰنٌ مقبوضۃٌ ؕ فان امن بعضکم بعضاً فلیؤد الذی ائتمن امانتہٗ ولیتق اللہ ربہٗ ؕ ولا تکتموا الشھادۃ ؕ ومن یکتمھا فانہٗ اٰثمٌ قلبہٗ ؕ واللہ بما تعملون علیمٌ ۝ (البقرہ ۲۵ ع ۳۹ پارہ ۳)

"مسلمانو! جب تم ایک میعاد مقرر تک اُدھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو تمہارے (درمیان میں) (تمہاری باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔ اور جس سے لکھواؤ تو اس لکھنے والے کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح خدا نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے۔ اس کو بھی چاہیئے کہ بے عذر لکھ دے۔ اور جس کے ذمے قرض عائد ہوگا (وہی دستاویز کا) مطلب بولتا جائے۔ اور اللہ سے کہ وہی اس کا حقیقی کارساز ہے۔ ڈرے۔ اور بتاتے وقت قرض دہندے کے حق میں کسی قسم کی کاٹ چھانٹ مت کرے اور جس کے ذمے قرض عائد ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور ہو یا خود ادائے مطلب نہ کر سکتا ہو۔ تو جو اس کا مختار کامل ہو وہ انصاف کے ساتھ (دستاویز کا) اُکا مطلب

بولتا جائے۔ اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ اُن میں سے کوئی ایک بھول جائے گی تو ایک دوسری کو یاد دلائیگی۔ اور جب گواہ ادائے شہادت کے لئے بلائے جائیں تو حاضر ہونے سے انکار نہ کرے۔ اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی (دستاویز) لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ نہایت ہی منصفانہ کارروائی ہے۔ اور گواہی کے لئے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہے۔ اور زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ تم آئندہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ کرو مگر سودا دست نقد ہے جس کو تم (ہاتھوں ہاتھ) آپس میں کر لیا کرتے ہو تو اس کی دستاویز لکھنے نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور ہاں جب اس طرح کی خرید و فروخت کرو تو (احتیاطاً) گواہ کر لیا کرو اور کاتب (دستاویز) کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو۔ اور ایسا کروگے تو یہ تمہاری شرارت ہے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تم کو (معاملے کی صفائی) سکھاتا ہے۔ اور سب کچھ جانتا ہے اور اگر سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے اور (قرض لینا ہو) تو رہن یا قبضہ (رکھ لو) پس اگر تم میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا (یعنی قرض لینے والا) تو اس کو چاہیئے کہ قرض دینے والے کی امانت (قرض) کو (پورا پورا) ادا کر دے اور خدا سے جو اس کا کارساز (حقیقی) ہے ڈرے اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو اُس کو چھپائے گا تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو۔ خدا کو سب معلوم ہے۔

سٹہ بازی۔ سودی کاروبار کے بالکل مماثل سٹہ بازی کا کاروبار

سود کی لعنت کے ساتھ ساتھ سٹہ بازی کی لعنت بھی عرب میں اس وقت عام تھی۔ سٹہ بازی کے جو نتائج اس وقت معاشرے پر پڑ رہے ہیں وہ ہم سب پر عیاں ہیں حالیہ جنگ کے آغاز سے جو گرانی دن بدن بڑھ رہی ہے اور اسباب کے علاوہ اس کا ایک بڑا سبب سٹہ بازوں کی کارفرمائیاں بھی ہیں، بنگال کی ۱۹۴۳ء کی غذائی صورتِ حال بڑی حد تک انہی لوگوں کی پیدا کردہ تھی ۱۹۴۲ء کے وسط سے لیکر ۱۹۴۳ء کے وسط تک کپڑے کی قیمتوں میں تقریباً تگنا اضافہ ہوا اس وقت ملک میں یہ کہا جاتا تھا کہ اس بڑھتی ہوئی گرانی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ملک میں کپڑے کی کافی مقدار ضروریات کو پورا کرنے کے لئے موجود نہیں ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو فوجی ضروریات کی وجہ سے کپڑے کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسری طرف کپڑے کی درآمد میں نمایاں کمی اور کپڑے کی برآمد میں نمایاں اضافہ ہو گیا ہے۔ لیکن جب حکومت نے کپڑے پر نگرانی کا اعلان کیا اور کپڑے کے ان ذخیروں کو جو وقت مقررہ تک فروخت نہ ہوں ضبط کرنے کی دھمکی دی تو پتہ چلا کہ پورے ایک سال کی ضرورت کا کپڑا سٹہ بازوں نے جمع کر رکھا ہے۔ اور انہی کی کارستانیوں کی وجہ سے کپڑے کی قیمت میں دن بدن ناجائز اضافہ ہوا ہے۔ یہی حال غلے کا ہے۔

اس سلسلے میں اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے جو احکامات صادر فرمائے ہیں وہ موجودہ حکومتوں کے غور و فکر کے محتاج ہیں۔

عن معمرٍ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من احتکر فھو خاطئٌ ۞

معمر کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گرانی میں غلہ خرید کر روک رکھے (اور زیادہ گرانی کا منتظر ہو) وہ آثم وہ گنہگار رہے۔

(مسلم)

عن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجالب مَرزوق والمحتکر مَلعونٌ ۞

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں جو شخص غلہ لاکر بہ نرخ حال شہر میں بیچتا ہے اس کی روزی میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص گرانی کے انتظار میں غلے کو روک رکھتا ہے وہ رضائے حق سے دور ڈالا جاتا ہے۔

عن معاذٍ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بئس العبد المحتکر ان ارخص اللہ الاسعار حزن وان اغلاھا فرحَ ۞ (بیہقی)

حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلعم کو فرماتے سُنا کہ گرانی کے انتظار میں غلہ روک رکھنے والا بہت بُرا انسان ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ نرخوں کو ارزاں کر دیتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اور اگر گراں کر دیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

زرعی اجناس کے مستقبل کے سودے

موجودہ معاشی نظام میں زرعی اجناس کے مستقبل کے سودے جائز قرار دیئے گئے ہیں اکثر وبیشتر مغربی معاشیین نے اس قسم کے سودوں کو معاشرے کی ترقی کے لئے مناسب سمجھا ہے۔ لیکن اکثر وبیشتر کاشتکاروں اور کسانوں کے نمایندوں نے ان کو ہمیشہ اپنے حق میں مضر سمجھا ہے اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے ہیں۔

اسلام نے ان تمام سودوں کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا ہے اور اُسے معاشرے کے حق میں مضرت رساں سمجھا ہے۔ اسلام میں صرف حاضر سودوں کی اجازت ہے مستقبلات کی اجازت نہیں۔

اسلام کا یہ نظریہ حالیہ جنگ کے زمانہ میں معاشیین اور حکومت دونوں پر خوب واضح ہوا ہے اور یہ دونوں جماعتیں متفقہ طور پر اس بات پر رضامند ہوگئی ہیں کہ موجودہ قیمتوں کے بڑھاؤ کا ایک بڑا سبب سٹہ بازی اور مستقبلات کے سودے ہیں چنانچہ حکومت نے آخر مستقبل کے سودوں کو قانونی طور پر اب ممنوع قرار دیا ہے۔

معاشی نظام کی سب سے بڑی بیماری تجارتی چکر ہے اور یہ چکر زیادہ تر بڑھتی ہوئی سٹہ بازی کا نتیجہ ہے اور اسلام نے صحیح طور پر اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

اسلام نے اس قسم کے تمام مستقبل کے سودوں کو معاشرے

کے لئے سخت مضر قرار دیا ہے تجارتی چکر جو معاشرے کے نظام کو درہم برہم کرتے رہتے ہیں اِسی قسم کی گرم بازاری کا نتیجہ ہیں۔ اِسلام نے تجارت کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ مسلمانوں کو اس کی بہت ترغیب دی ہے لیکن سٹہ بازی سے سخت منع کیا ہے اور ہر قسم کے مستقبل کے سودوں کی ممانعت کی ہے۔ اور صرف حاضر تجارت کی تلقین کی ہے۔ اور حاضر سودوں کو جائز قرار دیا ہے۔ مستقبل کے سودوں سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

عن انسٍ قال نهٰی رسول الله صلّی الله علیه وسلّم عن بیع التمار حتیٰ تزهی قیل وما تزهی قال حتیٰ تحمرّ وقال ارئیت اذا منع الله الثمرة فبم یاخذ احدکم مال اخیه وفی روایة ابن عمر ان رسول الله صلّی الله علیه وسلّم نهی عن بیع النخل حتی یزهو وعن السنبل حتیٰ یبیض ویامن

العاهة فنهی البائع والمشتری۔

(صحیحین)

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔ جب تک ان میں پختگی کے آثار نمایاں نہ ہو جائیں کسی نے عرض کیا کہ حضرت اس کی پختگی کیونکر پہچانی جائے۔ فرمایا یہاں تک کہ سُرخ ہو جائے۔ اور فرمایا کہ بتاؤ اگر خدا پھل کو (پکنے اور تیار ہونے سے) روک دے تو تم میں کا ایک شخص اپنے دوسرے بھائی کا مال کس طرح لے سکتا ہے۔ ابن عمر کی روایت میں یوں آیا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے کھجور کے درخت کی خرید و فروخت سے منع فرمایا تا وقیتکہ کھجوریں پک کر سُرخ نہ ہو جائیں اور کھیتی کے بالوں کی (خرید و فروخت سے) یہاں تک کہ سفید نہ پڑ جائیں۔ اور آفات کا خوف نہ رہے۔ بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔

ہمارے ہاں عام رواج ہے کہ پھل دار درختوں کو پھل لگنے سے پہلے ہی بیچ دیتے ہیں اور اس کو بہار کا بیچنا کہتے ہیں ابھی درختوں میں مور بھی نہیں آیا اگر مور آیا ہے تو کیریاں کچی ہیں مگر پکے آموں کا سودا کر لیا جاتا ہے یہی ہے بہار کا بیچنا۔ اس کا لازمی نتیجہ فریقین میں سے کسی ایک کے لئے خسارہ ہے۔ یہ لوگوں کے باہمی معاملات ہیں حکومت یا اور کوئی باقوت ادارہ اس میں کیسے دخل دے سکتا ہے۔ اس پر لوگوں کو محض اپنی بھلائی کے مدِ نظر عمل کرنا چاہیئے۔

ایسے سودوں میں لوگ اپنے نزدیک پھلوں کا ایک اندازہ قائم

کرلیتے ہیں مگر غیب کے حالات سے تو کوئی واقف نہیں۔ یہ محض جوئے کی ایک شکل ہے۔ اور جوئے کی حرمت میں اس کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے جوئے کی حرمت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس سے بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے اور یہی نتیجہ اس قسم کے مستقبل کے سودوں کا بھی ہونا یقینی ہے۔ لہذا جب دونوں چیزوں کے حالات مشترک ہیں تو دونوں کے لئے ایک ہی حکم فرض گردانا چاہیئے۔

عن ابی هریرة اَنَّ رسول الله علیه وسلّم قال لا تلقوا الرُّکبان لبیع ولا یبع بعضکم علی بیع بعضٍ ولا تناجشوا۔ (صحیحین)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تم غلہ خریدنے کے لئے (شہر سے باہر جاکر) مال خریدنے والوں سے نہ ملو (یعنی شہر سے باہر جاکر مال لانے والوں سے پیش از پیش نہ خریدو) اور ایک شخص خرید رہا ہو اور خریدار اور فروشندہ باہم راضی ہوں تو ان کے معاملے کو درہم برہم کرکے تم اسے نہ خریدو اور قیمت بڑھا کر کسی کو دھوکا نہ دو۔

عن ابی هریرة رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ علی صُبرةِ طعامٍ فادخل یدہ فیها فنالت اصابعہ بللاً فقال ما هذا یا صاحب الطعام قال اصابتہ

السماء یا رسول اللہ قال افلا جعلتہ فوق

الطعام حتی یراہ الناس من غش فلیس منی ہ

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ اس میں ہاتھ مار کر دیکھا تو آپ کی اُنگلیوں میں تری محسوس ہوئی (غلے والے سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ غلے والے یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے غلے کو تر تو نہیں کیا لیکن مینہ سے تر ہو گیا فرمایا تو بھیگے ہوئے غلے کو تو نے اُوپر کے رُخ کیوں نہ رکھا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے۔ جو شخص دھوکہ دے، مجھ (میرے پیروؤں میں) سے نہیں ہے۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نھی عن بیع الکالیٔ بالکالیٔ ہ (دار قطنی)

ابن عمر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ادھار کو اُدھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا۔ (کیونکہ اس طرح کے معاملات میں جھگڑے کا اندیشہ ہے)

عن حکیم بن حزام قال نھانی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع ما لیس عندی وفی

روایتٍ قال قلت یا رسول اللہ یاتینی الرجل

فيريد مني البيع وليس عندي فابتاع له من السوق قال لا تبع ما ليس عندك۔

حزام کے بیٹے حکیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس نہ ہو اسے بیچ ڈالوں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حکیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور مجھ سے ایک چیز خریدنا چاہتا ہے حالانکہ وہ چیز میرے پاس ہوتی نہیں تو کیا جائز ہے کہ بازار سے خرید کر اس کے ہاتھ فروخت کر دوں فرمایا جو چیز تیرے پاس ہے ہی نہیں اسکی بیع کس طرح کر سکتا ہے۔

سود کی بحث کا خلاصہ

(۱) ہمیں علامہ محمد الخضری کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے کہ "قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ سود اُس فیاضانہ اصول کے منافی ہے جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے۔"

(۲) یہ خیال قطعی غلط ہے کہ اسلام صرف سود در سود کی ممانعت کرتا ہے اور سادے سود کو اسلام نے منع نہیں کیا۔ اسلام میں ہر قسم کا سود خواہ اسکی شرح کتنی ہی کم کیوں نہ ہو منع ہے۔

(۳) اسلام نے حاضر مال کی تجارت کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اس کو فروغ دینے کے لئے مختلف تجاویز بتائی ہیں۔ مثلاً لین دین میں خوش معاملگی۔

قسموں سے اِجتناب اور معاملات کی تحریر۔

(۴) موجودہ اصل دارانہ نظام کی ہمہ گیری سے متاثر ہو کر اکثر لوگ اِس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ بنک چونکہ تجارتی اور صنعتی کاروبار میں مدد دیتے ہیں اِس لئے ان کا سود جائز ہے۔ یہ قطعی غلط ہے۔ بنک کے سود اور ساہوکار کے سود میں کوئی فرق نہیں۔ موجودہ بنک وہی کاروبار کرتے ہیں جو گذشتہ زمانوں میں یہودی اور دیگر ساہوکار کرتے تھے۔ بنک کا سود قطعی طور پر ناجائز ہے۔

(۵) کسی قسم کے حیلے سے بنک کے سود کو جائز قرار دینا اِسلام کی بنیادی تعلیم سے منحرف ہونا ہے۔ اور قرآن پاک کے صاف اور واضح احکام کو جھٹلانا ہے ہمارا فرض یہ ہے کہ پہلے ہم اُصول کی وضاحت کر دیں اور اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے یا اُن پر پردہ ڈالنے کے لئے اُصول کو غلط ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اِسلام اور تجارت۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ "احلّ اللہ البیع وحرّم الربوٰا"۔ اِسلام نے تجارت کے لئے جو راستبازی۔ دیانت داری اور خوش معاملگی کا معیار قایم کیا ہے وہ آج بھی دنیا کے مہذب ترین ملک کے لئے قابل تقلید ہے۔ تجارتی کاروبار میں صحیح ترازو۔ وزن۔ اور پیمانے کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اِسلام نے صحیح اَوزان و پیمانہ جات و ترازو پر بہت زور دیا ہے۔

ہندوستان کے اکثر و بیشتر علاقہ جات میں ابھی بھی صحیح اوزان نہیں پائے جاتے۔

اکثر تاجروں کی عام خصوصیت ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کو یقین دِلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسلام نے اِس کو بھی سختی سے منع کیا ہے۔

قسم کھانے سے بچنا۔ عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحلف منفقۃٌ للسلعۃ ممحقۃٌ للبرکۃ ۰

(صحیحین)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ قسم سے مال تجارت کی نِکاسی تو ہوتی ہے مگر برکت سلب ہو جاتی ہے۔

عن ابی ذرٍ رضی اللہ عنہٗ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلٰثۃٌ لا یکلمھم اللہ یوم القیٰمۃ ولا ینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذابٌ الیمٌ قال ابو ذرؓ خابو ا وخسرو من ھم یا رسول اللہ قال المسبل والمنان والمنفق سلعتہ بالحلف

الکاذبۃِ۔

حضرت ابوذرؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے روز خدا تین طرح کے آدمیوں سے بات تک بھی نہ کرے گا نہ اُنھیں نظر رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ اُنھیں گناہوں سے پاک کرے گا اور اِن کو عذاب دردناک ہوگا۔ ابوذر بولے اے رسول خدا اُنھوں نے سخت نقصان اُٹھایا۔ اور رحمتِ خدا سے محروم ہوئے وہ کون ہیں؟ فرمایا ازراہِ تکبر ازار کا لٹکانے والا۔ دِسے کر احسان رکھنے والا۔ جھوٹی قسم سے اپنا مال ومتاع کی نکاسی کرنے والا۔

عن قیس بن ابی غرزۃ قال کنا نسمّٰی فی عھدِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سمسرۃً فمر بنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم فسمّانا باسمٍ ھو احسن منہُ فقال یا معشر التّجار ان البیع یحضرہٗ اللغو والحلف فشوبوہ بالصّدقۃِ ۔

(نسائی۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

ابوغرزہ کے بیٹے قیس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم لوگ (جو سوداگری کا پیشہ کرتے تھے) سمسار کے نام سے

پکارے جاتے تھے۔ تو حضرت رسولِ خدا صلعم نے ہمارا نام اس سے بہت اچھا یعنی تجار رکھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ کہ اے تاجروں کی جماعت خرید و فروخت میں بیہودہ باتیں اور قسمیں شامل ہوتی ہیں تو صدقہ دے کر اُسے پاک و خالص کر لو۔

عن عبید بن رفاعة عن النبیّ صلی اللہ علیه وسلم قال التجار یحشرون یوم القیمة فجارًا الا من اتقیٰ وبرّ وصدقَ ۔

رفاعہ کے بیٹے عبید سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تاجروں کا حشر قیامت کے دن فاجروں کے ساتھ ہوگا۔ سوائے اس کے جو حرام سے بچا۔ جھوٹی قسم نہ کھائی اور قیمت بتانے میں سچائی سے کام لیا۔

والی مدین اخاهم شعیباً ؕ قال یٰقوم اعبدوا اللہ ما لکم مّن الٰہٍ غیرہٗ ؕ ولا تنقصوا المکیال والمیزان انّی ارٰکم بخیرٍ وانّی اخاف علیکم عذاب یومٍ محیطٍ ؕ ویٰقوم اوفوا المکیال والمیزانَ

بالقسط ولا تبخسوا النّاس اشیاءَ
ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین ۔
بقیّتُ اللہ خیرٌ لکم ان کنتم مومنینؕ
ومآ انا علیکم بحفیظٍ ۔ قالوا یٰشعیبُ
اَصلوٰتُك تامُرك اَن نترك ما یعبد
اٰباؤنا او ان نفعلَ فی اموالِنا ما نشؤاؕ
انك لانت الحلیم الرّشیدؕ قال یٰقوم
ارءیتم ان کنتُ علیٰ بیّنَۃٍ مّن ربّی ورزقنی
منہ رزقاً حسناًؕ وما اریدُ ان اخالفکم
اِلیٰ ما اَنھٰکم عنہؕ ان اُرید اِلا الاصلاحَ
ما استطعتؕ وما توفیقی اِلا باللہؕ
علیہ توکلتُ والیہ اُنیبُ ۔

(ھود ۱۱ - ع ۸ پ ۱۲)

اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے (ہم قوم) بھائی شعیب کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔ اُنھوں نے (اُن سے) کہا بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں (تو تم کو ماپ تول میں کمی کرنے کی کیا ضرورت ہے) اور (اس پر بھی اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو) مجھ کو تمہاری نسبت عذاب عام کے دن کا اندیشہ ہے جو تم (سب) کو گھیرے گا اور بھائیو! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری (پوری) کیا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ کا (دیا) جو کچھ (تجارت میں) بچ رہے۔ وہی تمہارے لئے اچھا ہے۔ اور میں تمہارا نگہبان تو ہوں نہیں (کہ ہر ایک کے مال تول کو دیکھتا پھرا کروں) وہ کہنے لگے کہ شعیب کیا تمہاری نماز تم سے متقاضی ہے کہ جن (بتوں) کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو چھوڑ بیٹھیں یا اپنے مال میں جس طرح کا (تصرف کرنا) چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی ہاں تم ہی تو (معاملے کے بڑے) نرم اور راستباز رہ گئے (شعیب نے کہا) بھائیو! بھلا دیکھو تو سہی اگر میں اپنے پروردگار کے کھُلے رستے پر ہوں اور وہ مجھ کو اپنے (فضل) سے عمدہ (یعنی حق حلال) روزی دیتا ہے۔ (تو کیا اس طریقے کو چھوڑ کر تمہاری طرح حرام کی کمائی کھانے لگوں اور میں (ہرگز) نہیں چاہتا کہ جس (کام کے کرنے) سے تم کو منع کرتا ہوں۔ تمہارے برعکس آپ اس کو کرنے لگوں۔ میں تو اپنے حتی المقدور (لوگوں میں معاملے کی) اصلاح چاہتا ہوں۔ اور بس! اور (اس ارادے میں) میرا کامیاب ہونا تو بس خدا ہی کی تائید سے ممکن ہے۔ میں تو اس پر بھروسہ رکھتا ہوں۔

اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

. . . .

والسماء رفعها ووضع المیزان ٥

الا تطغوا فی المیزان ٥ واقیموا الوزن

بالقسط ولا تخسروا المیزان ٥

(الرحمٰن۔ ع ۱۔ پارہ ۲۷)

اس نے آسمان کو اونچا کیا۔ اور ترازو بنا دی ہے۔ تاکہ تم لوگ تولنے میں (حدِ اعتدال سے) تجاوز نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور کم نہ تولو۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا

معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس

بالقسط ٥ (الحدید ۵۷ ع ۳ پارہ ۲۷)

تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ان کی معرفت کتابیں اتاریں اور نیز ہم نے ترازو (کا رواج دیا) تاکہ لوگ دینی دنیاوی دونوں طرح کے معاملات میں انصاف پر قائم رہیں۔

ویل للمطففین ٥ الذین اذا اکتالوا

اعلى الناس يستوفون ٥ واذا كالوهم او وزنوهم يخسرون ٥ الا يظن اولئك انهم مبعوثون ٥ ليوم عظيم ٥ يوم يقوم الناس لرب العٰلمين ٥

(تطفیف ع ۱۔ پارہ ۳)

کم دینے والوں کی بڑی تباہی ہے کہ وہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں لیکن جب وہ لوگوں کو تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا ان کو اس بات کا خیال نہیں کہ ان کو روز قیامت بیدار ہونا ہے۔ اور اس دن لوگ اپنے پروردگار کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے کھڑے کئے جائیں گے۔

عن ابن عباس رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاصحاب الکیل والمیزان انکم قد ولیتم امرین هلکت فیها الامم السابقة ٥

(ترمذی)

ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے اور
تولنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے سپرد ایسی دو چیزیں (ناپ اور تول) کی گئی
ہیں جن کی بنا پر پہلی اُمتیں غارت ہوگئیں۔

ابن ہشام وغیرہ میں معاملۂ خیبر کا ذکر ہے کہ یہودی قولداروں سے
کیا سلوک ہوتا تھا اور اِن کا اِسلامی اِنصاف سے متاثر ہو کر کہنا کہ

بھذا اقامت السمٰوات والارض۔

رسول آخر نے خیبر آدھی بٹائی پر اہل خیبر ہی کے پاس رہنے دیا
جب بٹائی کا وقت آیا تو عبداللہ بن رواحہ کو کھجوروں۔ اور بعضوں
نے کہا کھجور کے درختوں کے تخمینہ کے لئے روانہ کیا اُنھوں نے درختوں
سے توڑ توڑ کر کھجوریں زمین پر جمع کیں اور آدھے دو حصّوں
میں بانٹ کر یہودیوں کو اِختیار دے دیا کہ جو بھی حصّہ چاہیں لے لیں
انھوں نے کہا کہ اِسی عدل پر زمین و آسمان قایم ہے۔

(کتاب الخروج لابی یوسف نیز فتوح البلدان صفحہ ۲۷ خیبر)

سود اور تجارت

اِسلام نے سود کو کیوں منع کیا اور تجارت کو کیوں جائز
قرار دیا؟

جب اِسلام نے سود کو منع کیا اور تجارت کو جائز قرار دیا تو

اکثر کفار نے اس پر اعتراض کیا. چنانچہ قرآن پاک میں اُس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

قالوا انما البیع مثل الربوا - (پ۳ - بقرۂ ع ۳۸)

وہ کہتے ہیں کہ جیسا معاملہ بیع ہے ویسا ہی معاملہ سود بھی ہے۔

آج بھی اسلام کے مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب اشیاء کی تجارت کو جائز قرار دیا گیا ہے تو پھر سود جو اصل کی تجارت ہے اُسے کیوں منع کیا گیا ہے۔ اسلام نے جائز غیر مکتسب آمدنی کو بھی منع نہیں کیا۔ اسلام نے لگان کو جائز قرار دیا ہے۔ شراکت جس میں ایک حصہ دار صرف اصل لگاتا ہے لیکن کاروبار میں کوئی عملی حصہ نہیں لیتا اُسے بھی جائز قرار دیا ہے۔ مکانات کے کرایوں کو جائز قرار دیا ہے اِن حالات کے تحت یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس فرض کرو کہ دس ہزار روپیہ ہے۔ وہ اگر ان سے مکان بنا دیتا ہے تو اس کی آمدنی (کرایہ) اسلام جائز قرار دیتا ہے۔ اس دس ہزار روپئے کو اگر کسی تجارت شراکت میں لگا دیا جائے اور روپیہ لگانے والا تجارت میں کسی قسم کا عملی حصہ نہ لے تو پھر بھی وہ منافع کا حصہ دار سمجھا جاتا ہے اور اسلام اس منافع کو جائز قرار دیتا ہے۔ اس روپیہ سے اگر زمین خرید لی جائے تو وہ زمین سے لگان وصول کر سکتا ہے۔ اور یہ آمدنی جائز ہو گی. جب ان تمام اقسام کی غیر مکتسب آمدنی کو اسلام جائز قرار دیتا ہے، تو پھر سود کیوں ناجائز ہے۔

اِس مسئلہ پر اکثر فقہا نے اپنی کتابوں میں تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ لیکن ہم یہاں یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ یا تو قانونی ہے یا اخلاقی یہ دونوں استدلال اپنی اپنی جگہ درست اور بجا ہیں۔ لیکن معاشی لحاظ سے یہ ہم کو مطمئن نہیں کرتے۔ ان استدلات کو جو اپنی جگہ بہت اہم ہیں پیش کرنے کے بعد ہم معاشی استدلال دوسرے ابواب میں پیش کریں گے۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

دنیا کے سارے کاروبار لین دین میں معاملہ کے فریقین میں ہر ایک دوسرے کے لئے کچھ قربانی کرتا ہے۔ مثلاً تاجر کپڑے دیتا ہے خریدار نے روپیہ دیا۔ کرایہ کی شکلوں میں مثلاً موٹر کے مالک کو اگر کرایہ کا روپیہ ملتا ہے۔ تو جس وقت تک کرایہ دار اس کی موٹر کو استعمال کرتا رہتا ہے موٹر کے تمام کل پرزے اپنے صفات کارکردگی کو بتدریج کھوتے رہتے ہیں۔ سال بھر کے بعد مکان جب کرایہ دار واپس کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ مکان اور اس کے تمام عناصر و اجزا اپنے اِس ہئیت پر باقی نہیں رہتے۔ جو کرایہ دینے کے وقت ان کی تھی۔ الغرض کرایہ کی شکلوں میں بھی اگرچہ اس چیز یعنی موٹر مکان وغیرہ مالک کو واپس ہو جاتی ہے لیکن ان کے صفات کی قربانی ضرور ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں جس نے بجائے موٹر کے آپ سے دو ہزار روپئے قرض لئے اور دس سال بعد واپس کئے تو لینے کے وقت آپ اپنے روپوں کو اسی طرح ٹھوک بجا کر لیں گے جس طرح آج سے دس

سال پہلے دیئے گئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس عرصہ میں روپیہ کے صفات پر کہنگی اور فرسودگی طاری ہو گئی اور اس کی وجہ روپیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر روپیہ دوسرے روپے کی کامل طور سے قایم مقامی کرتا ہے۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ قرض دینے والے کی طرف سے نہ اصل مال کی قربانی ہوتی ہے اور نہ مال کے صفات کی۔ اب اگر دس سال تک جو روپیہ آپ کا مقروض کے پاس رہا اس کے معاوضے میں آپ ہر مہینہ اس کا کرایہ اگر وصول کریں گے تو سوال یہ ہے کہ آپ کی طرف سے کیا قربانی ہوئی؟ نہ روپیہ کے ذات کی نہ صفات کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرض دینے والے کی پوزیشن بغیر کسی قربانی کے بالکل محفوظ رہتی ہے۔ بخلاف لینے والے کے کہ اگر اس نے کسی ضرورت سے قرض لیا اور اُس میں خرچ کر دیا تو روپیہ اور اس کا سود یا کرایہ اس طور پر دے رہا ہے کہ اس نے اس روپیہ سے کچھ آمدنی نہیں پیدا کی اور اگر تجارت وغیرہ کے لئے لیا تو تجارت کی کامیابی ہر حال میں ضروری نہیں لیکن قرضے دینے والے کا روپیہ بھی اپنی ذات وصفات کے ساتھ محفوظ ہے اور اس کی دن دونی آمدنی بھی۔ ایسا شخص جو اپنے کاروبار میں کبھی نفع اُٹھاتا ہے۔ اور کبھی نقصان۔ کیا اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس پر نقصان کے تمام دروازے بند ہیں۔ اور صرف نفع اور کیا نفع اضافہ مضاعفہ (دوگنے چوگنے) کے حساب سے جبکہ دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جو کبھی بیمار نہیں ہوتا اس کی صحت کا مقابلہ وہ کیسے کر سکتا ہے۔ جو کبھی اچھا

اور کبھی بیمار رہتا ہے پس چند دنوں میں تو نہیں لیکن اگر کسی ملک یا قوم میں
ذرا زیادہ مدت تک اس قسم کی یکطرف گردش دولت کی جلب ہوتی ہے تو یہ
دیکھا جاتا ہے کہ ملک کا ایک قلیل گروہ یعنی ایسے لوگ جن کی آمدنی مصارف
سے زیادہ رہی ہو اور ان کے پاس قدر حاجت سے بچکر پس انداز بھی
ہوتا ہو جو عموماً ہر ملک و قوم میں تھوڑے ہوتے ہیں۔ جب یہ اپنے روپیہ کو
سود کی راہ پر ڈالدیتے ہیں تو ان کے بھی روپے ملک کے اکثر افراد کے
گھروں میں پہنچ پہنچ کر آہستہ آہستہ ان کی دولت کو کھینچ کھینچ کر قرض
دینے والوں کی جیبوں میں پہنچا دیتے ہیں اور صدی ڈیڑھ صدی کے بعد
یہ تماشہ نظر آتا ہے کہ قوم کے اکثر افراد بدترین معاشی لاغری میں مبتلا اور
معذور ہیں۔ چند گھرانوں یا شخصوں کے پاس دولت کا گودام پیدا ہوگیا
ہے اور پھر معاملہ اس حد پر آکر رک نہیں جاتا۔ ان دولتمندوں کے پاس
اگر دولت اور سرمایہ کی قوت ہوئی ہے تو ملک کی اکثریت اپنے پاس
جسمانی قوت رکھتی ہے۔ تنگ آکر ان سودخواروں کی مالی قوت پر جسمانی
قوت کا وحشیانہ حملہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے
سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ امن و امان غارت ہو جاتا ہے۔ غربا بھوکے
غضبناک بھیڑیوں کی طرح دولت مندوں کو پھاڑ دیتے ہیں۔ تاریخ ان
نتائج کو آج یورپ میں دہرا رہی ہے یا دہرانے والی ہے۔

اور یہ سب کس چیز کا نتیجہ ہے۔ یہی کہ "معاشی کاروبار" میں اکل
بالباطل (یعنی بغیر کچھ دیئے ہوئے دوسرے کے مال سے استفادہ)

اور "لا تظلمون ولا تظلمون" کے قانون کی پابندی سے بے اعتنائی برتی گئی۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں۔

فیربو المال علی المحتاج من غیر نفع یحصل له ویزید مال المرابی من غیر نفع یحصل منه لاخیه فیا کل مال الاخیه با لباطل۔

(ص ۲۰۰)

وہ اپنے مفلس بھائی کو سودی قرض دیتا ہے اور وہ غریب صرف اس روپیہ کو اپنے ضروریات میں صرف کرتا ہے۔ جس سے کوئی نفع نہیں ہوتا اور نہ مال زیادہ ہوتا ہے لیکن ساہوکار تو اس سے رقم وصول کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے بھائی کا باطل طریقہ سے مال کھاتا ہے۔

آخر سود خوار کو جب اس کا روپیہ اپنے تمام ذاتی وصفاتی کمالات کے ساتھ بجنسہٖ واپس ہو جاتا ہے تو بغیر کسی قربانی کے وہ غریب قرضخواہوں سے سود کا روپیہ کس بنیاد پر لے رہا ہے؟ جس ملک میں اِس قسم کے لین دین کی جب کبھی قانونی اجازت دیجائیگی اور اس کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگی۔ تو آمدنی کے پس انداز کرنے والوں کا قلیل گروہ اگرچہ اپنے کو یا اپنے خاندان کو مالی فائدہ پہنچاتا ہے لیکن ملک کے اکثر افراد کو شدید معاشی ضرر پہنچا رہا ہے۔ اِس قسم کے کاروبار ان ہی ممالک میں فروغ پا سکتے ہیں۔ جن کے باشندے اپنے کو صرف اپنے لئے یا اپنے خاندان ہی کے لئے سمجھتے

ہوں۔ اور اپنے ملک یا شہر یا گاؤں کے دوسرے افراد سے انہیں کچھ بحث نہ ہو۔ کہ آخر یہ سارا روپیہ جوان کی پس انداز زائد از ضرورت رقم نے بہ شکل سود ان کے گھر پہنچایا ہے وہ عموماً اس ملک اِس شہر، اِس گاؤں اس محلہ کے باشندوں کی جیبوں سے ہی وصول ہوتا ہے جن میں رہتے سہتے ہیں۔ حیرت ہے کہ یورپ آج قومیت اور نیشنیلٹی کے دعوے کا اپنے کو ساری دنیا میں علمبردار کہتا ہے۔ اس نے صرف یہی نہیں کیا ہے۔ کہ چند ساہوکاروں اور پیشہ ور سودخواروں کو اس کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے۔ بلکہ بنکینگ سسٹم کو جاری کرکے اُس نے موقع فراہم کر دیا ہے۔ کہ جن پس انداز کرنے والوں کو سودخواری کی فرصت نہ تھی وہ بھی اَب بآسانی سودخواروں کی کمیٹی میں شریک ہوکر ملک کی اکثریت کا معاشی خون چوسنے میں مشغول ہوں۔

سود اور تجارت کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے رسالہ ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۴۲ء میں بتایا کہ تجارت اور سود کا اصولی فرق، جس کی بنا پر دونوں کا معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہوسکتی یہ ہے۔

تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جواس نے بائع سے خریدی ہے اور بائع اپنی اُس محنت، ذہانت اور وقت کی اُجرت لیتا ہے۔ جس کو اُس نے مشتری کے لئے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے۔ بخلاف

اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقررہ مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لئے بالیقین نفع بخش ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے۔ جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں۔ اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لئے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لئے قطعی نافع نہیں ہے اور اگر وہ تجارت یا زراعت یا صنعت وحرفت میں لگانے کے لئے سرمایہ لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اُس کے لئے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ پس سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے۔ یا ایک کے یقینی اور متعین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدے پر۔

تجارت میں بائع مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد منافع لے بہرحال وہ جو کچھ لیتا ہے ایک بار لیتا ہے لیکن سود کے معاملہ میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے۔ اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو۔ بہرطور اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا۔ مگر دائن اس فائدہ کے بدلے میں جو نفع اٹھاتا ہے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی اُس کے تمام وسائل معیشت حتیٰ کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک

ہضم کرلے پھر بھی اس کا مطالبہ رہ جائے۔

تجارت میں شئے اور اُس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس دینی نہیں ہوتی۔ مکان یا زمین یا سامان کے کرایہ میں اصل شئے جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ صرف نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے۔ اور بجنسہ کرایہ دار کو واپس دے دی جاتی ہے۔ لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار سرمایہ کو صرف کر چکتا ہے اور پھر اس کو وہ صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے اضافہ کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے۔

تجارت اور صنعت و حرفت میں انسان محنت، ذہانت اور وقت صرف کر کے اس کا فائدہ لیتا ہے مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے اس کی حیثیت اصطلاحی "شریک" کی نہیں ہوتی جو نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت منافع کے تناسب سے ہوئی ہے۔ بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلا لحاظ نفع و نقصان اور بلا لحاظ تناسب نفع اپنے طے شدہ منافع کا دعویدار ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے تجارت کی معاشی [illegible]ت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الشان فرق ہو جاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود اُس کی تخریب کرنے کا موجب بنتا ہے۔ پھر اخلاقی حیثیت سے یہ سود کی عین

فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خودغرضی، شقاوت، بے رحمی اور زرپرستی کی صفات پیدا کرتا ہے۔ اور ہمدردی و امداد باہمی کی روح کو فنا کر دیتا ہے۔ اس بناء پر سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نوعِ انسانی کے لئے تباہ کن ہے۔
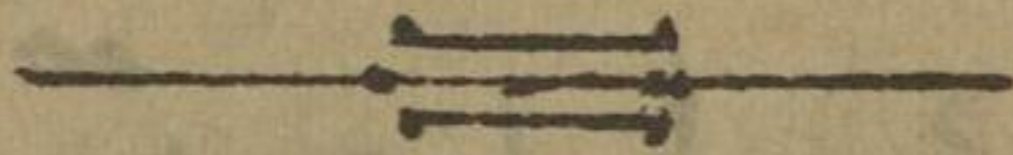
تیسرا باب

سود اور ربا

سود اور ربا میں کوئی فرق نہیں۔

بعض جوشیلے مسلمان جنھیں تہذیبِ نو کی جھوٹی چمک نے اندھا کر دیا ہے اور جو اِس دُنیا میں رہتے ہیں جس کی بنیاد ہی سُود پر قایم ہے یہ کہتے ہیں کہ اِسلام نے سود کو منع نہیں کیا ہے بلکہ رِبا کی ممانعت کی ہے۔ شائد وہ نہیں جانتے کہ رِبا کِسے کہتے ہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں ربا کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "غیر معمولی شرح سود خاص طور پر ایسی شرح جو قانون کی معین کردہ شرح سے زیادہ ہو رِبا کہلاتی ہے۔" لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ غیر معمولی شرحِ سود سے کیا مراد ہے؟ یہ ہو سکتا ہے کہ ایسی شرحِ سود جو آج معتدل اور مناسب معلوم ہو آئندہ چل کر غیر معمولی اور زیادہ سمجھی جائے۔

ہندوستان میں انجمن ہائے اِمداد باہمی کا قیام کسانوں کو ساہوکاروں کو اعلیٰ شرحِ سود سے بچانے اور انھیں مناسب شرح پر قرض مہیا کرنے کے لئے عمل میں آیا تھا موجودہ صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرہ میں بہت سی اِمدادی انجمنوں نے ۱۲ تا ۱۵ فیصد کی شرح سے روپیہ قرض دیا اور یہ شرح واجبی اور مناسب خیال کی گئی تھی۔ لیکن آج کل اِس شرح کو غیر معمولی طور پر زیادہ سمجھا جا رہا ہے۔ اِس کے علاوہ مختلف صوبہ جات میں قانوناً سودی کاروبار کے لئے بالعموم ۶ تا ۹ فیصد کی شرح کو مناسب سمجھ کر معین کیا گیا ہے۔ خود حکومتِ ہند آسانی سے ۳ فیصد کی شرح سے کثیر رقومات بطور قرض حاصل کر رہی ہے حیدرآباد کی حکومت نے حال ہی میں ۲½ فیصد شرحِ سود سالانہ پر قرضے حاصل کئے ہیں۔ آج سے تقریباً بیس سال پہلے مجلس اقوام نے بعض قرضے جو چند ملکوں کو اپنی ضمانت پر دلائے تھے۔ ۸½ فیصد کی شرح کو واجبی شرح سمجھ کر معین کیا تھا مگر آج باوجود جنگی حالات کے ممالک متحدہ امریکہ کی حکومت صرف ایک فیصد سالانہ کی شرح سے کثیر مقدار میں قرضے حاصل کر رہی ہے۔

قرضہ اور سود کے متعلق ذیل کی تفصیلات ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

آسٹریا کی معیشت پر سود کے تباہ کن اثرات

اکتوبر ۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام نے آسٹریا کے لئے ایک "جدید مالیاتی تنظیم" کی اسکیم کو منظور کیا اور اس غرض سے جون ۱۹۲۳ء میں ½ ۲۶ ملین پونڈ ایک ملین برابر ہے دس لاکھ کے کا قرض ۶ فیصد شرح سود کے تمسکات جاری کر کے برطانیہ عظمیٰ۔ ممالک متحدہ امریکہ۔ فرانس۔ اطالیہ۔ سوئزرلینڈ۔ سویڈن۔ بلجیم۔ ہالینڈ۔ زیکوسلواکیہ۔ اسپین اور خود آسٹریا سے حاصل کیا۔ تمسکات کی اس خریدی میں لندن کا حصہ ۱۴ ملین پونڈ تھا۔ لیکن اس میں سے ۳ ملین پونڈ کے تمسکات برطانوی حکومت کو بعض واجب الادا رقومات کی ادائیگی کے سلسلہ میں دیدیئے گئے۔ باقی حصہ عوام نے ۸۰ پونڈ کی شرح سے خریدا۔ یعنی ۱۰۰ پونڈ کا تمسک ۸۰ پونڈ ادا کر کے خریدا۔ اس حساب سے ان تمسکات پر تقریباً ½ ۸ فیصد کی شرح حاصل ہوئی۔ شرح سود کی اس زیادتی ہی کی وجہ سے عوام نے ان تمسکات کو بڑی خواہش سے خرید لیا۔ خریداروں کا ایک کثیر حصہ بالراست بنکوں۔ بیمہ کمپنیوں۔ دلالی کا کام کرنے والے اداروں وغیرہ سے متعلق

ؔ۔ دیکھئے مڈلینڈ بنک لندن کا رسالہ بابتہ ماہ مئی و جون ۱۹۲۸ء

تھا اور ایک بڑا حصہ اس اسکیم کے طرفداروں اور ایسے مالیاتی ماہرین پر مشتمل تھا جو اس کاروبار کے رُوحِ رواں تھے۔ عوام اس میں زیادہ دلچسپی یوں بھی لے رہے تھے کہ تمکات پر سود کی ایسی گراں شرح جو عموماً تخمینی کاروبار میں نظر آتی ہے اِن قرضوں پر دی گئی اور ضمانت میں آسٹریا کے محاصل کروڑگیری اور تمباکو کے اِجارے دیدیئے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ اس کے تحفظ کے لئے مجلس اقوام کو یہ اختیارات دیدیئے گئے تھے کہ تمکات کے کاروبار کو کنٹرول کرنے کے لئے اپنے نگرانکار ایجنٹ مقرر کرے[۲]۔

ستمبر ۱۹۳۳ء میں آسٹرین حکومت کو مزید ½۴ ملین پونڈ کا قرضہ دیا گیا اور اس کی ضمانت بھی وہاں کے محاصل کروڑگیری اور تمباکو کے اِجارے سے دیگئی۔ آسٹریا کی جدید مالیاتی تنظیم کی اِسکیم ملک کے خراب حالات کے باوجود بھی نافذ کی گئی اور یہ معلوم کرنا بڑا مشکل ہے کہ مجلس اقوام جیسے غیر جانب دار ادارہ نے کیونکر اس اسکیم کو منظور کرکے آسٹریا کے بیرونی قرضہ میں غیر معمولی اِضافہ کر دیا اور ملک کے محاصل کروڑگیری اور تمباکو کے اِجارہ کو اس قرض کی اعلیٰ شرح سود ادا کرنے کی ضمانت میں دیدیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ مجلس کے وہ عہدہ دار جو ایسے قرض دہندہ ممالک کے نمایندے تھے جہاں کے مالیات میں موازنوں کو متوازن کرنے کی جدوجہد ہو رہی تھی یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرسکے کہ آنکی

---

[۲] دیکھئے مڈلینڈ بنک لندن کا رسالہ بابت ماہ مئی و جون ۱۹۲۳ء۔

آمدنی کا بڑا حصہ بیرونی قرضوں کے سود پر مشتمل ہونے سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔
آسٹریا کے طول و عرض میں اِن منشات کو بڑے جوش وخروش سے مشتہر کیا گیا۔ آسٹریا کے تمباکو اور سگریٹ کو بڑی شہرت ہوئی اور اِس کاروبار میں لاکھوں کا نفع ہوا۔ مگر اہلِ آسٹریا نے سوائے اِن چند کاروباری لوگوں کے جنھوں نے اِس قرض میں کچھ حصہ لیا تھا ایک پائی کا بھی اِس کاروبار سے نفع نہیں اُٹھایا۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مجلس اقوام نے بین الاقوامی بیلیفوں کی جماعت کو آسٹریا میں اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا (یہ وہ نگرانکار ایجنٹ ہیں جن کا مجلس اقوام نے تمسکات کے کنٹرول کے سلسلہ میں تقرر کیا تھا) یعنی یہ کہ تمسکات کے خریداروں کے مفاد کے مدنظر اِس ملک کو مفلس کر دیا گیا۔ یہ امر یقینی ہے کہ فرانس۔ اٹلی۔ جرمنی و آسٹریا میں آپس کے گہرے تعلقات آسٹریا کی اندرونی تنظیمِ جدید میں مداخلت کا نتیجہ تھے۔ جیسے کہ برطانوی۔ فرانسیسی اور امریکی ماہرینِ مالیات کی اُن کوششوں کو جو انھوں نے پہلے مسٹر ڈا اور پھر مسٹر ینگ کی تجاویز کے مطابق بین الاقوامی بیلیف جرمنی میں مقرر کرنے کے لئے کی تھیں نتیجہ نازی انقلاب اور جرمنی کے مجلس اقوام سے قطع تعلق کی شکل میں ظاہر ہوا[1]۔ فرانس مجلس اقوام سے آسٹریا دریاے ڈینوب کے اردگرد کے ممالک

[1] تفصیلات کے لئے دیکھئے مسٹر سی۔ ایم۔ ہیڈ ہیلے کی کتاب "یہ زمانہ افراط" ہمارے اِس باب کا زیادہ تر حصہ اِسی کتاب سے ماخوذ کیا گیا ہے۔

اور دوسرے ملکوں کو جو جرمنی کے پڑوس میں تھے قرض دلانے میں خاص طور پر تعاون کر رہا تھا۔ جرمنی اِن واقعات کو نہ صرف ایسی سیاسی چالبازیاں سمجھ رہا تھا جو اس کے خلاف مجلس اقوام کے نام نہاد غیر جانبدار عہدہ دار استعمال کر رہے تھے بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ آسٹریا کو اس بیرونی تسلط (خاص طور پر فرانس کے) سے آزاد ہو جانا چاہیئے جو غیر ملکی قرضے کی صورت میں اس پر عائد کیا جا رہا تھا۔ ہٹلر نے بین الاقوامی مالیاتی پالیسی پر بیرونی اصل کے خلاف ایک تجرباتی مہم شروع کی اور جرمنی میں اندرونی تنظیم جدید کی جو مخالفت ہوئی اس کے اسباب بھی یہی تھے۔ فرانس مجلس اقوام کی مدد سے بین الاقوامی مالیاتی پالسی کے مطابق کام کر رہا تھا۔ اور وہ یہ چاہتا تھا کہ اطراف کے ممالک پر مالیاتی غلبہ پاتے ہوئے جرمنی پر بھی اپنا تسلط قایم کرے۔ اخبارات کے ذریعہ اِس امر کی کوشش کی جا رہی تھی کہ جرمنی کی مالی ساکھ کو ہر طرح سے گرا دیا جائے۔ نازیوں کی پالیسی بین الاقوامی مالیات کے خلاف تھی۔ اس طرح سے ایک بہت بڑی لڑائی کے بیج بوئے جا رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برطانیہ عظمیٰ کو ربا کے لئے جرمنی سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ اور فرانس سے اسی طرح کا اتحاد کرنا ہوگا جیسے کہ اِس ربا کے لئے اسے گذشتہ صدی میں نپولین کے یورپی نظام سے لڑنا پڑا تھا۔

ہنگری کی معیشت پر سود کے تباہ کن اثرات

مجلسِ اقوام کی سرپرستی میں ۱۹۲۴ء میں ہنگری کو بھی ایک

بین الاقوامی قرضہ دلایا گیا اس کے لئے ½ ۱۰ ملین پونڈ کے تمسکات ½ ۷ فیصد کی شرح سے جاری کئے گئے۔ اس وقت ۱۰۰ پونڈ کا تمسک ۸۸ پونڈ ادا کرنے پر ملتا تھا۔ یہ تمسک جو ۱۹۴۴ء میں ۱۰۰ پونڈ کے نرخ سے واپس لئے جانے والے تھے مشغول شدہ اصل پر سود اور کمی قیمت پر خریدی کا منافع ملا کر تقریباً ½ ۹ حقیقی شرح سود کے تھے۔ ایسی غیر معمولی شرح کے مدنظر قرض ملنا دشوار نہ تھا جیساکہ آسٹریا کے قرضہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ تمسکات کی ضمانت محاصل کروڑ گیری۔ شکر کے محصول اور تمباکو اور نمک کے اجاروں سے دی گئی۔ مجلس اقوام کو تمسکات کے خریداروں کے مفاد کی نگرانی کے لئے نگرانکار ایجنٹ مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا مگر مالیاتی اصلاحات کی نگرانی کا کام ایک کمیشن کے تحت رکھا گیا تھا[ؔ] ہنگری کے مبادلات میں اسٹرلنگ کے تعلق سے استقامت پیدا کی گئی اور تمسکات کے خریداروں کو جو سود حاصل کرنے کے خواہشمند تھے یہ یقین دلایا گیا کہ قرض کی ادائی کے وقت ہنگری کے محاصل کی مقدار قرضہ کی رقم سے کہیں زیادہ تھی۔

بدقسمتی سے اس سود کی ادائی کا بار ہنگری پر بہت زیادہ پڑا۔ جب محاصل کی مقدار میں کمی ہونے لگی تو دسمبر ۱۹۳۲ء میں بنک بین الاقوامی تصفیہ حسابات کے عہدہ داروں نے دس حکومتوں سے متحدہ طور پر مزید بیس ملین ڈالر کا قرضہ ہنگری کو دلایا۔ مگر چونکہ ہنگری کی صورت حال زیادہ

[ؔ] مڈلینڈ بنک لنڈن کا رسالہ بابت ماہ مئی و جون ۱۹۲۵ء

نازک تھی اس لئے یہ اندیشہ تھا کہ قرضہ کے اس اضافہ سے ہنگری کی مالی حالت میں کوئی بہتری پیدا نہ ہو سکے گی۔[۲۹] ایک ہفتہ کے اندر اس قرض سے حاصل شدہ سونے کے ذخیرے کی جس کو ہنگری نے اپنے کمزور زر کی پشت پناہی کے لئے رکھا تھا حفاظت و نگرانی کے لئے التوائے ادائیگی کا اعلان ہوا۔ اس التوا سے ہنگری کا تقریباً دو تہائی قرضہ متاثر ہوا مگر سود کے طلبگاروں کو مجلس کے توسط سے اطمینان دلایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ ۱۹۲۴ء کے مجلس اقوام کے قرضے اور بعض دوسرے قرضوں پر سود کی عدم ادائیگی کی صورت میں ڈگری کو ملتوی کیا جائے گا۔[۳۰]

اس طرح گذشتہ جنگ عظیم سے ایسے بین الاقوامی قرضے جن کی مجلس اقوام کے قرضہ کی کمیٹی بالواسطہ یا بلا واسطہ نگرانی کرتی تھی ڈینوب کی ریاستوں اور بلقان کے علاقوں کو دیدیئے گئے۔ ان قرضوں پر سود کی ادائیگی سے اور بالخصوص ایسے زمانے میں جو تفریط زر کے لحاظ سے لاثانی تھا۔ یہ ملک معاشی طور پر تباہ ہو گئے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اصل کی رقم ادا نہ ہو سکتی تھی قرض دار ممالک موافق توازن تجارت کے ذریعہ بیرون زر حاصل کر کے سود ادا کرتے تھے اور اگر وہ ان رقومات کو کسی وجہ سے ادا نہیں کر سکے تو بیرونی تمسکات کے خریداروں کی کونسل

---

[۲۹] اخبار نیویارک ٹائمز بابت ۱۶ دسمبر ۱۹۳۲ء

[۳۰] اخبار نیویارک ایوننگ پوسٹ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ء

اور مجلس اقوام کی قرضہ کمیٹی منظم طور پر مل کر اس پر سوچ بچار کر رہے تھے۔ اکثر حالات میں مجلس کی طرف سے مقروض ممالک کی مالیاتی چھان بین کے لئے ماہرین مقرر کئے جاتے تھے جو یہ ثابت کرتے تھے کہ مقروض ممالک ادائیگی کے قابل ہیں مگر وہ ایسا نہیں کر رہے ہیں۔ اِن تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر یہ مشورہ دیا جاتا تھا کہ مقروض ممالک کی اندرونی معیشت میں تبدیلیاں کی جائیں اور محاصل میں اضافہ کیا جائے تاکہ بیرونی ادائیاں نہ رک سکیں۔ جب ہم دیکھتے کہ ان ممالک کی معاشی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی اور ان میں اندرونی طور پر بے چینی روز بروز بڑھتی جاتی تھی تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مجلس اقوام کو ان ممالک سے زیادہ تمسکات کے خریداروں کے بین الاقوامی اتحاد کا مفاد عزیز تھا۔ اِس طرح مجلس اقوام امن کی بجائے جنگ کے لئے زمین ہموار کر رہی تھی۔

اِس قرض کا ایک خاص حصہ افراد کے ہاتھوں میں تھا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ انھیں تمسکات پر سود برابر نہیں مل رہا ہے تو انھوں نے تمسکات کے خریداروں کی کونسل اور مجلس کی قرضہ کمیٹی کے تعاون سے اِس امر کی جدوجہد شروع کی کہ عہدہ دار جو ان قرضوں کی نگرانی کے لئے مقرر کئے گئے تھے ان کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ مجلس کو مختلف ممالک کی قسمتوں سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اِن ممالک کی گرتی ہوئی صنعتوں سے انھوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے بین الاقوامی لین دار افراد نے جو امریکی اور برطانوی کاروباری

مرکزوں کے توسط سے مختلف ممالک میں کاروبار کیا کرتے تھے۔ دعویٰ کرنا شروع کیا کہ امریکی قرض کی عدم ادائیگی جرمنی کی لاپروائی اور بے ایمانی کا نتیجہ ہے اور اپنی چالبازی سے انھوں نے یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ امریکی اصل خطرہ میں ہے۔ اس پروپگنڈہ سے دونوں ممالک میں شبہات اور بے اطمینانیاں پیدا ہونے لگیں کیونکہ امریکیوں کو اپنے سرمایہ کے نقصان کا اندیشہ تھا اور جرمنی میں قرض ادا کرنے کے سلسلہ میں بھاری محاصل کے عائد کئے جانے کا خوف پیدا ہونے لگا تھا۔[۵۷]

سود کی برائی سے متعلق اگر گزشتہ صفحات سے اطمینان نہ ہوا ہے تو ذیل کے مباحث سے اس کی تشفی ہوسکتی ہے۔

بلغاریہ کی معیشت پر سود کے تباہ کن اثرات

۳۰ اگست ۱۹۳۳ء کو بلغاریہ کی حکومت نے یہ اعلان کیا کہ مجلس اقوام کے سابق کمشنر موسوشیران کو مجلس کی مالیاتی تنظیم کی اسکیم کے معائنہ کے لئے روانہ کیا جارہا ہے اور اگر اسکیم کے رو بہ عمل لانے کے سلسلہ میں رکاوٹیں موجود ہوں تو جنیوا سے اس کام کی نگرانی کے لئے ایک ماہر روانہ کیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد ہی حکومت بلغاریہ نے ایک دوسرا اعلان یہ کیا کہ بیرونی قرضوں

---

۵۶ دیکھئے جافری مارک کی مشہور کتاب "موجودہ بت پرستی" شائع شدہ لندن ۱۹۳۳ء

۵۷ اخبار لندن ٹائمز بابت ۳۱ اگست ۱۹۳۳ء

کی ادائی کے مدات کو اپنے موازنہ میں شامل کرنا فی الوقت اس کے لئے ناممکن ہے اور اس نے مجلس سے ۱۹۲۶ء کے معاہدہ پر بلغاریہ کے مفاد کے لئے نظرثانی کی درخواست کی۔ جو مطالبات یونان کی طرف سے بیرونی قرضہ کے سود کی کمی کے سلسلہ میں کئے گئے تھے اس کے جواب کو جو اعلامیتہ کے ذریعہ شائع ہوا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"بیرونی تمسکات کے خریداروں کی کونسل اور مجلس کی قرضہ کمیٹی نے مجلس اقوام کی مالیاتی کمیٹی کی یونان پر رپورٹ کے مطالعہ اور یونانی وزرأ کے بیانات پر غور کرنے کے بعد یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ان تجاویز کی تمسکات کے خریداروں سے منظوری کی سفارش نہیں کر سکتے"۔ [۵]

رومانیہ کی معیشت پر سود کے اثرات

اگست ۱۹۳۳ء میں رومانیہ میں بیرونی قرضہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ایک تعطل کی کیفیت پیدا ہو گئی اس لئے تمسکات کے خریداروں اور رومانوی حکومت کے درمیان ایک کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کانفرنس کے سلسلہ میں تمسکات کے خریداروں کی رائے یہ تھی کہ وہ مجلس اقوام کی جانب سے رومانیہ کے مالی حالات کی تحقیق کے لئے ایک ماہر کا تقرر کیا جائے اور اس کی سفارشات کو کانفرنس میں ہونے والے مباحث کی

[۵] اخبار لندن ٹائمز بابتہ ۱۱ر اگست ۱۹۳۲ء

بنیاد قرار دیا جائے۔[۹] مذکورہ بالا واقعات سے ہم ذیل کے نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

(۱) بیرونی قرضہ کا اصل ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی ادائیگی سے بین الاقوامی زر جس کے ذریعہ بیرونی تجارت ہوتی ہے ملک کے باہر چلا جاتا ہے۔

(۲) بیرونی قرضہ کا سود صرف ترقی پذیر کاروبار اور گرم بازاری کی صورت ہی میں ادا ہو سکتا ہے مثلاً بڑی بڑی جنگوں کے دوران میں جبکہ متحارب ملکوں کے قومی قرضہ کے ساتھ ساتھ ان کے صرف میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے یا ایسے ممالک کے صنعتی استحصال سے جو تجارتی حیثیت سے ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں۔

(۳) گرتے ہوئے کاروبار اور سرد بازاری کے زمانہ میں بیرونی قرضہ کا سود ادا نہیں کیا جا سکتا یعنی ایسے وقت جبکہ جنگیں نہیں ہوتیں اور غیر ترقی یافتہ ممالک ترقی کر کے بین الاقوامی بازار میں کوئی جگہ حاصل نہیں کر لیتے ہیں۔[۱۰] ان حالات میں دو طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرضہ نہ ادا کیا جائے اور دوسرے یہ کہ مزید قرضہ لیا جائے۔ مزید قرضہ لینے سے قرضہ کا مسئلہ تو پیچیدہ ہو جاتا ہے مگر گزشتہ ادائیاں کی جا سکتی ہیں۔

---

[۹] ڈیلی میل۔ یکم ستمبر ۱۹۳۳ء

[۱۰] ہیڈ سلے کی کتاب "یہ زمانہ افراط"

موجودہ بین الاقوامی تجارت کے حالات کے مدنظر بیرونی شغل اصل میں کمی ہو رہی ہے کیونکہ نہ تو مقروض ممالک مزید قرضہ لینے کے لئے آسانی سے تیار ہیں اور نہ ہی قرض دہندہ ممالک قرضہ دینے کے لئے آمادہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مجلس اقوام کی قرضہ کمیٹی اور بیرونی تمسکات کے خریداروں کی کونسل نے آپس کے تعلقات میں عدم اعتماد اور شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر ان باتوں کے لئے کسی خاص شہادت کی ضرورت ہے تو مسٹر کالمن ڈی بوڈے نائب صدر ڈینوبین لیگ سوسائٹی و معتمد نیشنل ہنگرین انڈسٹریل مارٹ گیج انسٹیٹیوٹ (بوداپسٹ) کے ایک خط کا جو انھوں نے ۲۱ ستمبر ۱۹۳۳ء کو لندن ٹائمس کو لکھا تھا۔ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آسٹریا۔ بلغاریہ۔ یونان۔ ہنگری۔ رومانیہ اور یوگوسلاویہ کے سالانہ بیرونی قرضوں کی ادائیگی کی مقدار ۳۹ ملین پونڈ ہے۔ ان کے توازن تجارت کا موافق ہونا تو ایک طرف مجموعی طور پر ان کے موازنوں میں ۹ ملین پونڈ کا خسارہ ہے (توازن تجارت میں ان ممالک کی ہر قسم کی برآمدات کو شامل کیا گیا ہے)۔"

"سود کو کم کرنے اور راس کے کچھ حصہ کی ادائیگی ملتوی کرنے اور بہت سی رقومات کی ادائیگی کے بعد بھی اُن کے ذمہ قرضہ کی خاص رقم باقی تھی یعنی وہ ۱۶ ملین پونڈ تھی جو تین سال کے عرصہ میں بڑھ کر ۴۸ ملین پونڈ ہو جانے والی تھی۔ ان مشکلات کو اور رومانیہ کی ادائیگی قرض سے متعلق پریشانیوں کو ایک ماہر سیاسیات نے بین الاقوامی معاشی کانفرنس کے موقع پر کمیشن

کے سامنے بڑے زور و شور سے یوں بیان کیا تھا۔

"بیرونی مطالبات کی ادائیگی کے لئے رومانیہ کو قیمتوں کے گرنے سے پہلے گیہوں کی برآمد میں دُگنا۔ معدنی روغنیات کی برآمد میں تین گنا اور جو کی برآمد میں پانچ گنا اضافہ کرنا پڑا۔

اس طرح رومانیہ کے قرضہ عامہ کا بار ناقابل برداشت ہو گیا اور وہاں کے باشندوں کا خانگی قرضہ بھی بہت زیادہ ہوتا گیا۔"

ہر ملک میں محاصل کے بڑھتے ہوئے قیود کے مدِنظر کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ رومانیہ یا کوئی اور ملک اپنے قرضہ کی ادائی کے لیے بیرونی زر حاصل کر سکے گا۔ ایسا کرنے کی صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ مزدوروں کو کم سے کم اُجرت دی جائے اور گرتی ہوئی قیمتوں پر لین دار ممالک میں پیداوار کو خسارہ سے فروخت کر دیا جائے۔ اس کے بُرے اثرات سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور دین دار و لین دار ممالک میں نزاع پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔ ایک رومانوی ماہر مالیات نے اس نقطہ کی طرف اپنی ایک تقریر میں خاص اشارہ کیا تھا جس کو اس کی تقریر کے اس اقتباس سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

"رومانیہ بیرونی زر کی شکل میں قرضہ کی ادائیگی اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ بازاروں میں اس کی زائد پیداوار فروخت نہ ہو۔ ایسا اب تک نہ ہو سکا اور رومانیہ کی برآمد شدہ پیداوار کی قیمتیں گر جانے سے حالات اور بھی زیادہ خراب ہو گئے۔"

"رومانیہ اپنے عہدہ داروں۔ غریب بیواؤں اور ضعیفوں کو بیرونی قرضہ کی ادائیگی کیلئے فاقوں نہیں مار سکتا"[1]

مجلس اقوام کی ناکامی اور سود

مجلس اقوام نے جدید مالیاتی تنظیم کی اسکیموں کو صرف یورپ کے لئے ہی مخصوص نہیں کیا تھا۔ سر آٹو نیمیر جو لیگ کی مالیاتی کمیٹی کے رکن اور بین الاقوامی تصفیہ حسابات کے بنک کی مجلس کے رکن تھے اس تحریک کے اکثر مقامات مثلاً برازیل۔ نیوزیلینڈ۔ آسٹریا اور ہندوستان میں سرگرم حامی تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی گئے بدترین حالات ظہور پذیر ہوئے۔ معاشی حالات میں تبدیلیاں کی گئیں۔ محاصل میں اضافہ ہوا۔ اور نتیجہ ادنیٰ معیارِ زندگی رونما ہوا۔ پہلی جنگ کے بعد مرکزی بنک جو اندرونی و بیرونی قرضہ کے کاروبار کو چلانے کے لئے قائم کئے گئے تھے وہ زیادہ تر اِن کی رہبری میں مجلس کی طرف سے کام کرتے تھے۔

سود کے دوسرے تباہ کن اثرات

اِن حالات سے جو نتیجہ برآمد ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔ بین الاقوامی تصفیہ حسابات کے بنک کے عہدہ دار مجلس اقوام کی مالیاتی کمیٹی۔ بیرونی تمسکات کے خریداروں کی کونسل اور بعض خانگی بنک کاری کے اداروں (جیسے جے۔ پی مارگن) کے

---

[1] اخبار لنڈن ٹائمز مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۳ء

نمایندوں اور بعض ماہرینِ مالیات اور انجمنوں نے مجلس اقوام کو بین الاقوامی
قرضہ دینے کے لئے اِستعمال کیا اور اس کے ذریعہ سے سود اور نفع حاصل
کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بین الاقوامی طور پر سیاسی بے چینی پیدا ہو گئی گویا مجلس
اقوام نے اس امن پسند اور ترقی کی آرزومند دنیا میں جنگ اور عالمگیر سیاسی
بے چینی کی فضا پھیلا دی۔ اِن حالات کے باوجود ماہرینِ مالیات کی حکمت
عملی جیسا کہ مسٹر جافری بیڈلپ نے ۱۸ مئی ۱۹۳۳ء کے نیو انگلش ہفتہ وار
اخبار میں لکھا تھا کہ "بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ نہ کسی چیز کی وضاحت کرو
اور نہ کوئی صفائی پیش کرو۔ نتیجہ یہ ہے کہ عوام کو مرکزی بنکوں کی پالیسی
بے چون وچرا قبول کرنی پڑ رہی تھی اور ان بنکوں کی اِس حکمتِ عملی کا
نتیجہ یہ ہوا کہ دُنیا میں کساد بازاری اور بے روزگاری پھیلتی گئی۔ بنکوں
کا دیوالہ نکلنے لگا اور ہر طرف خیانت اور بد دیانتی پیدا ہو گئی۔ اور
سیاسی و معاشرتی بے اطمینانی پھیل گئی۔ اس سے کئی حکومتیں ٹوٹیں
کیونکہ نہ تو وہ اپنی تباہی کے طوفان کو روک سکتی تھیں اور نہ اس کے
اسباب کا سدِ باب کر سکتی تھیں"۔

جب ان قرضوں کا بار ایسے کاروبار پر پڑا جس سے پہلے ہی کچھ
زیادہ فائدہ نہیں ہو رہا تھا تو تمام متعلقہ ممالک کیا دین دار اور کیا
لین دار سب نقصان اٹھانے لگے۔ اس کا ایک ہی فائدہ ہوا اور وہ یہ کہ
اصل کا ایک وسیع بین الاقوامی حلقہ قائم ہو گیا جس کا وجود صرف سود کی
مسلسل ادائی کی صورت میں رہتا تھا۔ یہ سود اُس وقت ادا کیا جا سکتا تھا

جب کسی ملک کی زائد پیداوار بیرونی بازاروں میں مناسب نرخ پر فروخت ہوتی۔

اصل کا وہ حلقہ جو مجلسِ اقوام کی طرف سے قائم کیا گیا تھا کچھ زیادہ فائدہ مند ثابت نہ ہو سکا۔ اِس سے اکثر ممالک کی اُجرتیں کم ہونے لگیں اور اَدنیٰ معیارِ زندگی جیسے نتائج پیدا ہوئے۔ یہ جنگ کا ایک بڑا سبب بن کر بین الاقوامی تہذیب کو خطرہ میں ڈالنے لگا۔

۱۹۳۳ء میں مجلسِ اقوام نے جو سونے کے متعلق کمیٹی قائم کی تھی اس کی اقلیت کی رپورٹ نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ "اس معاشی طور پر وابستہ دنیا میں لاکھوں آدمیوں کا فاقوں سے مرنا ایک یقینی اَمر ہے اور یہ چیز مشتبہ ہے کہ آیا ہماری موجودہ تہذیب اِن حالات میں باقی رہ سکے گی"۔

اِس بیہودہ قسم کی پیشین گوئی کا مجلس اقوام جیسے مقتدر اِدارہ کی ایک اہم کمیٹی کی طرف سے اس زمانہ میں ہونا جبکہ معاشرہ کثرت پیدائش[۱۲] کا

---

[۱۲] کثرتِ پیدائش کا نظریہ ۱۹۲۹ اور ۱۹۳۵ کے درمیان بہت کچھ زیر بحث رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دنیا شدید ترین کساد بازاری کے پنجے میں پھنسی ہوئی تھی چیزوں کی قیمتیں بہت کم ہو گئیں تھیں اور ان گری ہوئی قیمتوں پر بھی خرید ار ملنے دشوار تھے۔ کیونکہ ایک طرف تو مختلف اشیاء اور اجناس کے ذخیرے بڑھتے جارہے تھے اور دوسری طرف بے روزگاری کی وجہ سے اور گری ہوئی قیمتوں کی وجہ سے لوگوں کی قوتِ خرید میں نمایاں کمی ہونے لگی۔ موجودہ اَصل دارانہ معاشرے کا

شکار ہو رہا تھا اور لوگ اس لئے بھوکے مر رہے تھے کہ پیدائش زیادہ ہوگئی ہے سراسر دیوانگی کی علامت ہے۔ اِس سلسلہ میں مسٹر جافری بیڈلیپ کا یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ ایسا سماج جو اپنے بنکروں کے حلقۂ

ملاحظہ ہو بقیہ نوٹ صفحہ (۱۹۳) - یہ یک طرفہ تماشہ ہے کہ باوجود اِس امر کے دنیا میں کافی غربت موجود ہے اور لوگوں کو مختلف اشیاء اور اجناس کی شدید ضرورت رہتی ہے اس کے ساتھ ساتھ دوکانیں مال سے بھری رہتی ہیں اور ان کے خریدنے والے اور بھی کم ہو جاتے ہیں۔ اِس صورت حال کو دو طریقوں سے دیکھا جاتا ہے ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں کثرت پیدائش کی صورت ہو گئی اور اگر پیداوار میں کمی کر دی جائے تو حالت بہتر ہو جائے۔ لیکن یہ صورتِ حال کا صحیح علاج نہیں۔ اِس کے برعکس زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ اُسے کمی صرف کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ لوگوں کی قوتِ خرید میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ لوگ ان چیزوں کو خرید سکیں۔ لوگوں کی قوتِ خرید میں اُسی وقت اضافہ ہو سکتا ہے جبکہ کاروبار کو ترقی دیجائے کہ روزگار عام پھیلایا جائے تاکہ لوگوں کی قوتِ خرید میں اضافہ ہو سکے۔ یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ شرح سود میں نمایاں کمی کی جائے۔ اگر سچ پوچھو تو بہترین صورتِ حال اُسی وقت پیدا ہو گی جبکہ شرح سود اُڑا دیا جائے۔

اثر میں ہو اور اِن کی اخلاقی تلقین کار دو ادار ہو باقی رہنے کے قابل نہیں ہے معاشرے کی خرابیوں کے ذمہ دار یہی بنک کار ہیں۔

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ اَمر واضح ہوجاتا ہے کہ قرضہ اور سود کی کیا خرابیاں ہیں اور ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سود ہی دنیا کی بہت سی مصیبتوں کا ذمہ دار ہے۔ سود اور ربا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم نے اس سے پہلے یہ بتلایا ہے کہ ایسی شرح سود (½ ۸ فیصد) جسے ۲۰ سال پہلے مجلس اقوام کی مالیاتی کمیٹی نے مناسب قرار دیا تھا۔ اَب ہندوستان جیسے معاشی لحاظ سے پست ملک میں غیر معمولی طور پر زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے آکسفورڈ ڈکشنری سے ربا کی تشریح کی تھی اور بتلایا تھا کہ زیادہ بڑھی ہوئی شرح خاص طور پر ایسی شرح جو حکومت کی معین کردہ شرح سے زیادہ ہو اُسے رِبا کہتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں اِسلام نے جو رہبری کی ہے وہ بہت ہی نمایاں ہے اور قرض دہندوں کی تمام چالبازیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اسلام نے سود کی شرح کو صفر قرار دیا ہے۔ اور کوئی شرح بھی جو صفر سے زیادہ ہو اس کے نزدیک بڑھی ہوئی شرح سود یا رِبا ہے۔ اِس طرح ان لوگوں کا مغالطہ دور ہو سکتا ہے جو سود اور رِبا میں فرق کرتے ہیں۔ اب ہم کو یہ جان لینا چاہیئے کہ اسلام میں رِبا اور سود میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ وہ ہر قسم کے سود کو جسے ہم چاہے کوئی نام دیں منع کرتا ہے۔ اس نے دنیا کو ایسا سبق دیا ہے جو روز بروز صاف ہوتا جاتا ہے اور جس میں اِعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں قوی توقع ہے کہ دنیا اِس

چیز کو بہت جلد تسلیم کرے گی کہ جو نظریہ اِسلام نے آج سے ۱۳۶۴ سال پہلے پیش کیا تھا وہی صحیح ترین نظریہ تھا اور معاشرہ کی آئندہ فلاح و بہبودی اُس وقت ہوگی جب کہ اُسے سود کے چکرّ سے نجات دِلائی جائے۔

چوتھا باب

اسلام اور بنک کاری

اسلام کے ایسے بہت سے حامی ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ایک فطری اور عقلیت پسند مذہب ہے۔ اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ نظام بنک کاری موجودہ سماج کی ترقی کے لئے ناگزیر ہے، اسلام جب اس طریقہ کار کی ممانعت کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلامی معاشرت کو دُنیا میں رائج کیا جائے تو وہ بوکھلا جاتے ہیں اور اُن سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اسلام کے یہ مؤید اپنی کم علمی اور بے عقلی سے یہ تک دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام موجودہ نظام بنک کاری کی مخالفت نہیں کرتا۔ ان مؤیدین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ بنک، جو امانتوں پر سود ادا کرتے ہیں

یا اپنے جاری کردہ قرضوں پر جو سود وصول کرتے ہیں اُس کی اگر اسلام نے اجازت نہیں دی ہے تو ممانعت بھی نہیں کی ہے۔ مگر یہ چیز حقیقت سے کہیں دور ہے ہم میں سے اکثر مسلمان اپنی اَمانتیں بنکوں میں رکھواتے اور ان پر سود پاتے ہیں۔ یہ ہماری ذاتی کمزوری ہے۔ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو پابندی سے نماز نہیں پڑھتے۔ اِس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ نماز نہ پڑھنا گناہ نہیں ہے۔ اپنی ذاتی کمزوری کی ایسی صورت میں حمایت کرنا جبکہ اس کے خلاف اِسلام کے احکام موجود ہیں اور آیاتِ قرآنی کے ذریعہ اس کی صاف ممانعت کردی گئی ہے، بہت بڑی فاش غلطی اور کبیرہ گناہ ہے۔ ہم سمجھتے نہیں کہ نظام بنک کاری کی یہ حمایت اِن لوگوں کی لاعلمی اور اس نظام کے عملی طریق کار سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

موجودہ زمانے کے بنک کم وبیش تقریباً اسی طرح کے کام اَنجام دیتے ہیں جیسے کہ نظام بنک کاری کی اِبتدار سے پہلے ساہوکار انجام دیا کرتے تھے۔ اِس لئے اگر ہم ساہوکاروں کی اَصلیت کی تشریح کریں تو اِس مسئلہ پر بھی اچھی طرح روشنی پڑسکتی ہے کہ اِسلام نے موجودہ نظام بنک کاری کی کیوں مخالفت کی ہے۔ کیونکہ جدید نظام بنک کاری نے ساہوکاروں کی خدمت کا جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں ایک بڑے قابل مغربی مصنف مسٹر جافری مارک کی اُس تفہیم کو پیش کیا جائے گا جو انھوں نے اپنی کتاب "موجودہ بت پرستی" میں ساہوکاروں کی اَصلیت کے متعلق لکھی ہے تاکہ لوگ طریقہ بنک کاری کی بُرائیاں بیان کرنے کو صرف ہمارے تعصب

یا تنگ نظری پر محمول نہ کریں۔

ساہوکاروں کی ابتدا

بنکوں کا کاروبار موجودہ خانگی طریق کے تحت سیدھا سادا نہیں ہے بلکہ اس میں طرح طرح کی پیچیدگیاں نظر آتی ہیں۔ نوٹوں کی اجرائی کا کام قانونی حدود میں رہ کر کرنا پڑتا ہے۔ اور عوام کو یہ دھوکا دیا جاتا کہ قرضہ کے کاروبار و نوٹوں کی اجرائی کے کام میں عوام یا ان کے نمایندے بالراست شریک ہیں۔ حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوتا یہ اجارہ محض چند مخصوص ساہوکاروں کے ہاتھ میں رہتا ہے جو آج کل بڑے بنک کار کہلاتے ہیں۔

کسی ملک کے سکہ جات کی اجرائی اور کنٹرول کا کام اب تک حکومت کے قبضہ میں ہے کیونکہ اگر ہر بنک علیحدہ علیحدہ سکے ڈھالنے لگے تو اس سے ایک طرف تو حکومت کے اقتدار کو دھکا لگتا ہے اور دوسری طرف ایک طرح کا انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ چونکہ ذیلی سکوں کا ڈھالنا اور ان کا انتظام کرنا ایک بہت ہی پیچیدہ اور بیش خرچ مسئلہ ہے۔ اس لئے خزانہ کی طرف سے بخوبی ان کا انتظام ہو سکتا ہے زرکی مقدار اتنی کم ہوتی ہے (بنکوں کی امانتوں کی مجموعی مقدار کے مقابلہ میں) کہ حکومت کی جانب سے اس پر جو کنٹرول قایم کیا جاتا ہے اس سے فینانس کے اختیارات میں نوٹوں اور چکوں کی حد تک، جو زیادہ آسانی اور نہایت ہی کم صرفہ سے چھپ سکتے ہیں، زیادہ مداخلت نہیں ہونے پاتی۔

نظامِ بنک کاری میں قرضہ جات کی اجرائی کے طریقہ کی بدولت، جو اب تمام دُنیا کے نظامِ زر پر چھایا ہوا ہے، بنکوں کو زرِ کاغذی کی اجرائی کا اجارہ حاصل تھا۔ بنکوں نے ہر ملک میں اِن اختیارات کے لئے حکومتوں سے کشمکش کی اور جیت اُنھیں کی رہی۔ بنکوں کی یہ کشمکش چونکہ قابلِ بھروسہ زر کی حمایت میں تھی اِس لئے انھیں جیت ہوئی۔ اِس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حکومتیں مالیاتی پستی کے زمانہ میں نوٹ چھپوا کر انھیں جاری کریں تو اس سے سخت نقصان ہوگا۔ اِن بنکوں نے اکثر ملکوں کو افراطِ زر کے خطرات سے جو ہمیشہ غیر نقد پذیر زرِ کاغذی کی کثرت کا نتیجہ ہوتے ہیں، آگاہ کیا ہے اور عوام اور حکومتوں کو اِس طرح کے چھپے ہوئے نوٹوں کے خطرہ سے متعلق پیشین گوئی کرکے خوفزدہ کردیا۔

یہ جانتے ہوئے کہ اِن بنکوں نے اپنے نوٹوں کی اشاعت اور اجرائی کا کام بڑی کامیابی سے انجام دیا ہے۔ (یہ نوٹ مدِ محفوظ کی ایک خاص نسبت میں ہوتے تھے، سونے میں نقد پذیر تھے) اس بات کا معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ بنک کاروں کا جاری شدہ زرِ کاغذی تو جائز اور قابلِ اعتبار رہے مگر حکومت کے پریس میں چھپے ہوئے نوٹ کیوں ناقابلِ بھروسہ اور باعث نقصان ہیں؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ گزشتہ اور موجودہ بنک کاری کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور زمانہ وسطیٰ کے ساہوکاروں کی ابتدا پر غور کریں۔ یہ ساہوکار وہ سُنار ہیں جو رفتہ رفتہ ساہوکار اور قرض

دھندے بن گئے۔ اِن دو قسم کے افراد کے کاروبار اور موجودہ طریقہ بنک کاری کے قریبی اور صحیح تعلقات کو زیرِ بحث مضمون کی بعض مستند کتابوں میں بھی غلط طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں سونا ہی حقیقی دولت تھی۔ اور لوگ زر کے بجائے سونے یا زیورات کی شکل میں اپنی دولت پس انداز کرتے تھے (زرِ کاغذی اور بنکوں میں امانتیں رکھنے کا طریقہ اُس وقت تک رائج نہیں ہوا تھا)۔

اِن حالات میں یہ لازمی امر تھا کہ تاجر اور خانگی افراد اپنے سونے کو حفاظت کے لئے سُناروں کے ہاں بطور امانت رکھوائیں کیونکہ اس زمانہ میں جان و مال اتنا محفوظ نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ امانت رکھنے والے سُنار ہر امانت رکھانے والے کو ایک قسم کی رسید دیا کرتے تھے۔ اِس کے بعد ترقی کا سلسلہ یوں چلا کہ:-

"اِن سُناروں کے رسائد قرضہ جات کے تصفیہ اور بعض دوسرے کاموں کے سلسلہ میں دست بدست گھومنے لگے۔ اور اس طرح بنک کے نوٹوں یا زرِ بنک کی ابتداء ہوئی جس کی پشت پناہی کے لئے سونے کا ذخیرہ موجود تھا۔"

اِس طرح کے کاروبار سے تاجروں اور خانگی افراد کو بڑی سہولت ہوتی تھی۔ سُنار اپنی خدمات یعنی سونے کو حفاظت سے رکھنے کا معاوضہ لیا کرتے تھے۔ ایسا زر جو اِس قسم کے رسائد کی شکل میں ہوتا تھا اس کی حقیقی بنیاد سونے پر قائم رہتی تھی۔ ہر ایسا رسیدی نوٹ جو گردش میں رہتا تھا اُس کے لئے

ہمقدر سونے کی مقدار سنار کے پاس رہتی تھی اور اِن تمام رسائد کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا تھا چاہے وہ تمام کے تمام وقتِ واحد ہی میں تبادلہ کے لئے کیوں نہ پیش کئے جائیں۔ گویا یہ رسیدی نوٹ سونے میں نقد پذیر تھے اِن حالات میں سنار کو رسائد والوں کی طرف سے سونے کی واپسی کے سلسلہ میں یورش کا کوئی خوف نہیں رہتا تھا۔

عملی طور پر یہ رسائد اِتنے سہولت بخش تھے کہ وہ بطورِ زر اس وقت تک اِستعمال ہوتے رہے جب تک کہ وہ دست بدست گھومتے رہنے سے بوسیدہ نہ ہو جائیں جیسے آجکل ایک روپیہ کے نوٹ ہیں۔ عملاً سنار کے پاس جمع کیا ہوا سونا واپس لینے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ اِس طرح سنار کے پاس ہمیشہ سونے کا ایک ایسا ذخیرہ موجود رہتا تھا جو کبھی ختم نہ ہوتا تھا۔ جب سونے کی اِس قدر مقدار بیکار پڑی رہنے لگی تو موجودہ بنک کار کی طرح اس نے سوچا کہ اسے دوسرے لوگوں کو کیوں نہ قرض دیکر سود کے ذریعہ کچھ آمدنی حاصل کی جائے۔ چنانچہ اس نے ایسے لوگوں کو قرض دینا شروع کیا جن کی ساکھ اچھی تھی اور جن سے رقم واپس کرنے کی توقع کیجا سکتی تھی۔ اس رقم کو جو بنک کار کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے پاس بطور امانت رکھوائی جاتی ہے قرض دینے کا کاروبار اخلاقی اصولوں کے خلاف ہے اور قوم کے لئے بڑے بڑے خطرات کا باعث ہوتا ہے۔ یہ کاروبار کے سلسلہ میں قرض دہندہ کا پہلا اِقدام تھا۔ سنار نے یہ دیکھا کہ اس کے پاس جو سونا بطور امانت رکھوایا جاتا ہے اس کا ۱/۱۰ حصہ کا مطالبہ ہوتا ہے اور عموماً اتنا ہی حصہ واپس لیا

جاتا ہے۔ اس کے پاس ہمیشہ $\frac{9}{10}$ سے زائد سونے کا حصّہ ایسا رہتا ہے جسے وہ سود پر قرض دے سکتا ہے۔ اِس لئے وہ قرضخواہوں کو باقی $\frac{9}{10}$ کی حد تک سونے کی بجائے ایک قسم کی رسید یا اپنی دستخط کردہ نوٹ بطور قرض دینے لگا جن کی ضمانت پر اس کے پاس اتنا ہی سونا موجود رہتا تھا۔ قرض لینے والے اپنے مطالبات کی ادائیگی میں قرضہ وغیرہ کی واپسی میں یہ نوٹ استعمال کرتے تھے۔ اور اس طرح زر کی طرح یہ رسائد یا نوٹ بھی گردش میں آنے لگے۔

سُناروں کے شخصی نوٹوں نے اِس قدر کامیابی سے مبادلہ کا کام انجام دیا کہ اوسطاً ہر دس میں سے ایک سے بھی کم نوٹ سونے کی واپسی میں وقت واحد میں پیش ہوتا تھا۔ اِس لئے سُناروں نے سونچا کہ وہ نہ صرف سونے کے اس $\frac{9}{10}$ حصّہ سے جو اُن کے پاس ہمیشہ ذخیرہ کی شکل میں موجود رہتا ہے قرض دے سکتے ہیں بلکہ وہ اُس سے دَس گُنے زیادہ قیمت کے نوٹ قرضخواہوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں۔ اِن کو اِس بات کا اطمینان تھا کہ ان کے پاس اَمانت رکھا ہوا سونا تمام کا تمام وقت واحد میں (ان کے رسائد یا نوٹوں کو واپس کرکے) کسی حالت میں بھی واپس نہیں لیا جا سکتا اگر وہ اُن نوٹوں کے بدلے جو سونے کی واپسی کے لئے اِن کے پاس پیش ہوں سونا مہیا کر سکیں (حقیقت میں اِن پیش کردہ نوٹوں کی قدر کا تناسب ہمیشہ سونے کی مقدار کا $\frac{1}{10}$ ہوتا تھا) تو لوگوں کو اس چیز کا یقین ہو جائے گا کہ ان کے نوٹ سونے میں نقد پذیر ہیں اور ان کی پشت پناہی کے لئے سُنار کے پاس سونے کا ذخیرہ موجود ہے۔

اِسی قسم کے فریب کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اِن کے نوٹ سونے میں بدل پذیر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ بنکوں کا زر جائز اور قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ ہم یہاں اس طریقہ کار کے بعض غیر معمولی نتائج کی تشریح کریں گے۔

فرض کیجئے کہ ابتداء میں دس آدمیوں نے کسی سُنار کے پاس اپنی امانت کو محفوظ کروایا۔ اِس امانت میں ہر آدمی کی ایک علیحدہ زر کی اِکائی شامل تھی۔ سُنار نے اُنھیں سونے کی وصولی کے رسائد دیئے اور یہ رسائد جو مجموعی طور پر زر کی دس اکائیوں کے برابر ہے گردش کرنے لگے۔ لیکن غیر طلب شدنی سونے کی تو اِکائیوں کو سنار نے رسائد یا نوٹوں کی شکل میں ۹۰ آدمیوں کو قرض دیا (فرض کیجئے کہ ہر قرضدار کو زر کی ایک اِکائی قرض دیگئی) اِس سے یہ ہوا کہ سُنار کے ۹۰ نوٹ بھی گردش میں آگئے اور زر کی اِکائیوں کے طور پر استعمال ہونے لگے۔ نوٹوں کی جعلی ضمانت کا اس فریب یا جعل کا بھانڈا اس لئے نہیں پھوٹتا کہ عموماً ایک وقت میں سونے کی مجموعی مقدار کے $\frac{1}{10}$ حصّہ سے کم کی قدر والے نوٹ نقد پذیری کے لئے پیش ہوتے ہیں) سے سُنار نے زر کی خرید ایسی ۹۰ اِکائیوں میں اضافہ کر دیا جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا یہ نیا زر سنار کی ذاتی ملکیت ہے جو اسی کو واپس ملے گا اور اس پر وہ کچھ شرح سود عائد کرے گا (اس کی شرح سود کو ہم ۵ فیصد فرض کر سکتے ہیں) اگر سنار سونا امانت رکھوانے والوں سے اس کی حفاظت کا معاوضہ بھی اسی شرح یعنی ۵ فیصد سے طلب کرے تو بحیثیت مجموعی زر کی ننانوے سو اِکائیاں گردش میں

آجائیں گی۔ ان میں سے دس اکائیاں امانت رکھوانے والوں کی ہونگی اور باقی نوّے کے نوٹ سُنار کی شخصی ملک رہیں گے جس پر اُسے مقررہ شرح سے سود ملتا رہے گا۔

یہ بات واضح ہے کہ سونے کی نقد پذیری (سوائے ذخیرہ اندوزی کی غرض کے) کے یہ معنی ہونگے کہ وہ کسی دوسرے فرد کے قبضہ میں چلا گیا جو اُسے اسی سُنار یا کسی اور کے پاس امانت رکھوائے گا۔ اس طریقہ سے اگرچہ امانت شدہ سونے کا ذخیرہ اگرچہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے مگر حقیقی طور پر وہ اتنا ہی رہتا ہے اور انہی سُناروں کے پاس رہتا ہے جو اُسے اپنے نوٹوں کی ضمانت یا پشت پناہی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اس کاروبار کی ابتداء میں سُنار کے پاس ذرا بھی ذاتی سونا نہ تھا۔ (اگر اس کے پاس سونا ہوتا تو وہ قرضہ کے اس چکر کو خود ہی پیدا کر لیتا)۔

امانت رکھوانے والوں کے پاس رقومات کی واپسی کے وقت بھی زر کی اتنی ہی اکائیاں رہتی ہیں جتنی ابتداء میں تھیں (اگر وہ تجارت وغیرہ میں زیادہ منافع حاصل کریں اور اس منافع کو یا اس کے کسی حصّہ کو سُنار کے پاس امانت رکھائیں تو سُنار امانت شدہ رقم سے دس گنا زائد قرضہ کا چکر پیدا کر سکتے ہیں) اور ان کے قبضہ میں زر کی نوّے اکائیاں ہوجاتی ہیں جو پہلے موجود نہ تھیں۔ اور اب وہ نہ صرف اس زائد رقم کے قرضے جاری کرتا ہے بلکہ ان پر سود بھی وصول کرتا ہے جس کی شرح ۵ فیصد سے شائد ہی کم ہوتی ہے۔ زر کی اس زیادتی اور سود پانے والے زر پر قبضہ کی بنیاد

دوسرے لوگوں کے امانت شدہ زر یا سونے پر قایم رہتی ہے۔ اگر یہ قرضے جنھیں پروفیسر سوڈی جھوٹے قرضوں کے نام سے تعبیر کرتا ہے سناروں کی طلب پر واپس نہ کئے جائیں تو وہ مقروضین کی جائداد ضبط کر لیتے ہیں اس کا منظر ہم اکثر آج کل کے نظام مالیہ میں دیکھا کرتے ہیں۔ موجودہ نظام مالیہ جو بعض بڑے بڑے ناموں جیسے اعلیٰ قسم کا مالیہ یا بین الاقوامی مالیہ وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے ایک پیچیدہ قسم کا معجونِ مرکب ہے اور ایک قسم کا فریب ہے جو بہت سے ناقص اور فریب دہ اصولوں پر قایم ہے۔

اگر عوام قدیم زمانہ کے اور موجودہ زمانہ کے مالیات میں جو گہرا تعلق ہے اس کو سمجھ جاتے تو موجودہ مالیاتی نظام کی پیچیدگیوں میں پڑنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ اور اگر قرون وسطیٰ کے یہ نظائر ان کی سمجھ میں آجاتے تو آجکل کے خطرناک معاشی مسائل حل کرنے میں انھیں زیادہ دقت نہ ہوتی۔

سناروں کے زمانہ سے، روپیہ قرض دینے کے یہ طریقے اصول زر کی اجرائی میں بھی عام ہوتے گئے، زمانہ وسطیٰ میں یہ قرض دہندے حکومت کے بعض اداروں کے تعاون سے اجرائی زر کا کام کیا کرتے تھے۔ مگر بعد میں رفتہ رفتہ اجرائی زر اور بالخصوص اجرائی زر کاغذی کا کام آخر الذکر کے قبضہ سے اول الذکر کے قبضۂ اقتدار میں آتا گیا یہاں تک کہ اب یہ قرض دہندے ایک قانونی نظام کے تحت جو نظام بنک کاری کہلاتا ہے کام کرنے لگے۔ یہ اتنا منظم نظام ہے کہ قومی اور بین الاقوامی طور پر ۹۸

فیصد زر جو گردش میں یا گردش کے باہر ہے اسی نظام سے متعلق ہے اور تمام جدید قسم کا زر قرضہ کی شکل میں انہیں کا پیدا کردہ ہے۔

نئی نئی صنعتوں کے قیام یا صنعتی ترقی کے سلسلہ میں بڑی بڑی رقومات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اتنی بڑی رقمیں کوئی ایک فرد یا چند افراد مہیا نہیں کر سکتے اس لئے بنکوں کی طرف رجوع ہونا پڑتا ہے۔ یہ قرضہ آسانی سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس بڑھتی ہوئی قوت سے قرض دہندوں کی سماجی حیثیت میں ایک نمایاں تبدیلی ہوتی گئی۔ اس سلسلہ میں شکسپیر کے ایک کردار شیالاک کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے جو اس نے اپنے ایک مشہور ڈرامہ "وینس کے تاجر" میں پیش کیا ہے۔ اس حوالہ (جو نسلی تعصب یا جذبات سے خالی ہے) سے اس حقیقت کا اظہار ہو سکتا ہے کہ دور وسطیٰ یا نشاۃ جدید کے ابتدائی زمانہ میں کس طرح قرض دہندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اس زمانہ میں لوگوں کا تخیل بہت کچھ سیدھا سادھا تھا۔ اور اگرچہ قرضہ کے کاروبار کے متعلق ان کے معلومات اتنے ہی ابتدائی اور سطحی قسم کے تھے جتنے کہ آجکل کے عوام کے ہیں مگر پھر بھی وہ قرض دہندے کی حیثیت کا صحیح اندازہ لگانے کے قابل تھے۔ وہ اس کو ایک ایسی جونک سمجھتے تھے جو سماجی معاملات اور صنعتی کاروبار میں دیکھتے دکھاتے لوگوں کا خون پی پی کر زندہ رہتی ہے۔

جب نیا زر (قرضہ کی شکل میں) پیدا کیا جاتا اور صنعتی کاروبار میں استعمال ہونے کے بعد قرض دہندوں کو واپس ہوتا تو سود کی ایک بڑی

مقدار بھی ان کے ہاتھ لگتی اور اس طرح سماج کے نقصان سے وہ فائدہ اُٹھاتے تھے۔ مگر اس نقصان کی بنیاد بالکلیہ یہ ساہوکار نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ ذریعہ جو قرضہ کے کاروبار کو کنٹرول کرتا تھا خود اِس تنظیم یعنی نظام بنک کاری کے باہر ہوتا تھا۔ اِس نظام اور ساہوکاروں دونوں کی ترقی میں رُکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ اِس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے پہلا قدم جو اُٹھایا جائے وہ یہ ہو کہ صنعتوں کو جاری کرنے والے ہی قرضہ دیں اور اس کے کاروبار پر نگرانی قایئم کریں کیونکہ کاروبار کے ایک حصہ کا دوسرے حصہ سے تعلق ہونے سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

زرکی اجرائی کا مقصد آجکل سود یا ربا کا حصول ہوتا ہے لیکن مجموعی زرکی اجرائی سماجی یا صنعتی ضروریات کے تحت نہیں ہوتی بلکہ اُس کی اجرائی کے حالات اس سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ مجموعی تعداد زرکی اجرائی اس سونے کی تناسب سے عمل میں آتی ہے جو دنیا میں موجود ہو اِس لئے اگر ہم ساہوکاروں کے ماتحت ہیں تو ساہوکاروں یا بنک کاروں کو بھی سونے کی مقدار کا ماتحت رہنا پڑتا ہے اور بالواسطہ اُنھیں رائے عامہ اور قانونی اقتدار کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔

دورِ وسطیٰ کے دماغ چونکہ اس نقطہ کو سمجھنے سے قاصر رہے اِس لئے اُس زمانہ کے لوگ ساہوکاروں سے نفرت کرتے تھے اور ان سے بہت کچھ ڈرتے تھے۔

اُس زمانہ کے بادشاہ آپس کے معاملات میں اتنے مصروف

رہتے تھے کہ اُنھیں زرو غیرہ کے مسائل پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اکثر اوقات وہ لڑائیوں یا بڑی بڑی جنگوں کے موقعوں پر ساہوکاروں سے قرضہ لیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ " اس شہنشاہی جمہوریت کے دور میں جس کے قبضۂ اقتدار میں ساری دنیا تھی وزرا سے لیکر ایک معمولی کاشتکار اور خود جولیس سیزر سے لیکر ایک معمولی دوکاندار تک تمام لوگ ساہوکاروں کے محتاج تھے[1]۔ مقروض بادشاہ قرض دہندوں کو نوٹوں کی اجرائی کی اجازت دینے پر مجبور تھے۔

" ولیم سوم کی یوروپی جنگوں کے اخراجات کی پابجائی کے لئے جو لوئی چہاردہم کے خلاف لڑی گئی تھیں ۱۲ لاکھ پونڈ قرض لینے کی تجویز ہوئی سلطنت کے اِنتظامات کے لئے بھی سالانہ چار ہزار پونڈ قرضہ کی ضرورت تھی۔ حکومت اِس مجموعی رقم پر ۸ فیصد سالانہ کی شرح سے سود ادا کرتی تھی ونیز اس خدمت کے معاوضہ میں بنکوں کو اتنی ہی مقدار کی حد تک نوٹوں کی اِجرائی کا اِختیار دے دیا گیا[2]"

اس اعلیٰ شرح کے مدنظر حکومت کو آسانی سے قرضہ مِل گیا۔ اس وقت سے اگرچہ بنک کی نوٹوں کی اِجرائی کے اِختیارات میں بہت کچھ اِضافہ ہوگیا مگر مقررہ مد سے زیادہ کے نوٹ جاری نہیں کئے جاسکتے تھے۔

---

[1] دیکھئے جی فرو کی کتاب " سلطنتِ روما کی عظمت و زوال" جلد ششم صہ ۲۲۳

[2] ارنسٹ سائیکس کی کتاب " بنک کاری و زر" لنڈن ۱۹۲۵ء

مگر پہلی جنگ سے قبل کی مقدار یعنی ۵۰۰ ملین پونڈ میں اضافہ ہوکر یہ مقدار قرضہ کی وجہ سے (۲۰۰۰) دو ہزار ملین پونڈ تک پہنچ گئی۔

اٹھارویں صدی کے وسط تک معاشرہ میں ساہوکاروں کے طبقہ کو کچھ عزت و وقعت حاصل نہ تھی۔ لیکن اٹھارویں صدی کے آخر اور اُنیسویں صدی کے شروع میں انھوں نے معاشرہ میں نہایت باوقار جگہ حاصل کرلی اور اُن کی طاقت بڑھنے لگی۔ اُسی زمانہ میں راتھس چائلڈ کے یہودی خاندان نے بنک کاری میں بہت قوت حاصل کرلی اور انقلاب فرانس کے زمانہ میں اُن کی شہرت نپولین سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اِس کے بعد میٹرنخ نے یورپ کی پالیسی اپنے ہاتھ میں لی اور توازن قوت کے نظریہ پر عمل کرنا شروع کیا تو راتھس چائلڈ خاندان نے اس کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے ان کی قوت مسلمہ ہوگئی۔ اس وقت سے لیکر اَب تک حکومت اور کلیسا دونوں ان کا تسلط مانتے ہیں کیونکہ اپنے زر کی وجہ سے اُنھیں غیر معمولی قوت حاصل ہوگئی ہے اور عوام اَب یہ بالکل بھول گئے ہیں کہ اِن لوگوں کا ابتدائی کاروبار کیا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا جبکہ اِس خاندان کے لوگ میلے کچیلے کپڑے پہنے وینس کے تنگ و تاریک گلی کوچوں میں زندگی گزارتے تھے اور کوئی شخص اِن کو پوچھتا تک نہ تھا بلکہ اِن کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اب یہ زمانہ ہے کہ انگلستان کے سب سے اعلیٰ وارفع مالی بازار میں جو تھرڈ نیڈل اسٹریٹ کے نام سے مشہور ہے نہایت ہی بڑھیا اچھے کپڑوں میں ملبوس کاروبار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ اَب معاشرہ کے نہایت ہی

بلند پایہ رکن متصور ہوتے ہیں اور عوام بھی انھیں وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مالیات پر ان کا جو تسلط ہے اس کے متعلق کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور ریاست دانوں، پادریوں، فوجی افسروں، ججوں اور ماہرانِ تعلیم یا ان میں سے کسی متحدہ گروہ کے ہاتھ میں ہے، ان کے اس خیال کو دور کرنے کے لئے ہمیں کسی قسم کی شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ شہادت ہر جگہ پائی جاتی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ بالآخر اقتدار مالیات ہی کے ہاتھ میں ہے اور مالیات پر ساہوکاروں کا قبضہ ہے۔

ساہوکاروں کی ابتداء کا جو نہایت ہی واضح خاکہ اس قابل مغربی مصنف نے پیش کیا ہے اس سے یہ صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ موجودہ بنک کار فی الحقیقت پرانے زمانہ کے ساہوکار سے کسی طرح مختلف نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ صاف ظاہر ہے کہ موجودہ بنک کاری سود پر قرضے دینے اور لوگوں سے قرضے لینے کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اس کاروبار کو صحیح طور پر اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔

موجودہ بنک سوائے اجازت اور منشور یافتہ ساہوکاروں کے جن کے لئے اب صرف خوش وضع بنک کار کا نام دیا گیا ہے اور کچھ بھی نہیں ہیں۔

موجودہ بنکوں کے خلاف جذبات

مغربی ممالک میں بھی بنک لوگوں کی تعن و تشنیع سے

نہیں بچ سکے۔ ایسے وہ تمام بنک جو حکومت کی مِلک نہیں ہیں بلکہ خانگی اِدارے کی حیثیت رکھتے ہیں اُن کے خلاف کافی جذبات پائے جاتے ہیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ انگلستان اور یورپ کے ترقی پسند ممالک میں اِس بات کو شدّت سے محسوس کیا جا رہا ہے کہ بنک کے کاروبار کو خانگی اِملاک سے بچایا جائے۔ اور اسے قومی مِلک بنا دیا جائے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد جو نئے مرکزی بنک قایم ہوئے ہیں وہ پُرانے بنکوں کی طرح محض خانگی بنک نہیں ہیں جن میں پُورا تسلّط حصہ داروں کو حاصل تھا۔

یہ بنک جو قایم کئے گئے ہیں ان میں سے بعض تو بالکل حکومت کی مِلک ہیں جیسے نیوزیلینڈ کا مرکزی بنک اور بعض ایسے ہیں جن کی نوعیت قومی اِدارہ کی سی ہے یعنی یہ بنک ایسے ہیں کہ ان کو نہ تو محض خانگی بنک کہا جا سکتا ہے اور نہ محض سرکاری بلکہ یہ دونوں کے بین بین ہیں۔ اِسکی مثال ہندوستان کا ریزرو بنک ہے۔

بنکوں کو قومی مِلک بنانے کی تحریک روز بروز زور پکڑتی اور مقبولیّت حاصل کرتی جا رہی ہے اور اکثر معاشیین اس تحریک کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اَمرِ واقعہ تو یہ ہے کہ بنک کاری ہی ایک ایسا اِدارہ ہے جس میں حکومت کی مداخلت نہ صرف روا رکھی جا سکتی ہے بلکہ بعض صورتوں میں ناگزیر بھی ہے۔ اُس کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس اُس شخص کی شہادت موجود ہے جس نے معاشیات کی بنا ڈالی اور جو عام معاشی زندگی میں حکومت کی مداخلت کے سخت خلاف تھا اور یہ

چاہتا تھا کہ کاروبار میں انفرادی آزادی ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہ شہادت آدم اسمتھ کی ہے جو بنک کاری کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ "اس میدان میں چند افراد کی آزادی جو تمام معاشرہ کے تحفظ کو خطرہ میں ڈالدے اس پر حکومت کے قوانین کے ذریعہ قابو رکھا جائے خواہ یہ حکومت جمہوری ہو یا آمری"۔

عام سیدھے سادھے الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہے کہ بنک کاری میں آدم اسمتھ جیسا عدم مداخلت کا حامی بھی اس شدت سے حکومت کی مداخلت کو ناگزیر محسوس کرتا ہے۔

معاشین اپنے اختلافات کی وجہ سے بہت ہی بدنام ہیں لیکن خوش قسمتی سے بنک کاری ہی ایک ایسا موضوع ہے جس کے متعلق اگر معاشین کی ایک مجلس اس مسئلہ پر محض علمی نقطۂ نظر سے رائے دینے کے لئے بلائی جائے تو اُن کی ایک بڑی اکثریت یہ رائے دیگی کہ کسی نہ کسی صورت میں بنک کاری پر حکومت کی مداخلت ضرور رکھی جائے۔ تمام کاروبار میں بنک کاری کا کاروبار ہی ایک ایسا ہے جو حکومت کے لئے موزوں ترین ہے۔

راقم الحروف ۱۹۳۶ء کے موسم گرما میں جب یورپ گیا تو اس وقت کئی اُن نہایت ممتاز معاشین سے تبادلہ خیال کیا جو معاشی زندگی میں حکومت کی مداخلت کو روا نہیں رکھتے۔ لیکن اُن سب نے نظری نقطۂ نظر سے اس بات سے اتفاق کیا کہ بعض قسم کی بنک کاری کے

فرائض حکومت کو سر انجام دینے میں کوئی ہرج نہیں ہے اگرچہ کہ سیاسی وجوہ کی بناء پر وہ اُس کی سفارش کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں جب اِنگلستان کی حکومت مکمل طور پر مزدور جماعت کے ہاتھ آئی تو اِنگلستان کی پارلیمنٹ نے سب سے پہلے جو قانون منظور کیا وہ اِنگلستان کے مرکزی بنک جو بنک آف اِنگلینڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اُسے خانگی ملکیت سے چھین کر قومی اِدارہ بنانے کے متعلق تھا۔

اِسلامی معاشرہ میں بنکوں کا قیام

وہ لوگ جو موجودہ زمانہ کے عجائبات کا ہمیشہ فخر سے ذکر کرتے ہیں اور بنک کاری کے بڑے بڑے اِداروں کو موجودہ دُنیا کی ایک اہم ایجاد سمجھتے ہیں اُن کو یہ جاننا چاہیئے کہ اِسلام نے بنک کاری کا ایک ایسا قومی و مرکزی اِدارہ قائم کیا ہے جس کی شاخیں تمام ملک میں ہوں۔ یہ ادارہ "بیت المال" کے نام سے موسوم ہے۔ بیت المال موجودہ مرکزی بنک کا پیش رو تھا جو قوم کی مِلک ہوتا تھا اور سوائے اِجرائی زر کے کم و بیش وہ سارے کام انجام دیتا تھا جو اب بنک انجام دیتے ہیں۔ اِسلام نے اِجرائی زر کا کام حکومت کے سپرد کیا ہے جو صحیح ترین اُصول ہے اِسلامی نظام میں ہم جس قدر چاہیں جدید اور ترقی یافتہ بنک کاری کے اِدارے قائم کر سکتے ہیں۔ فرق یہ ہوگا کہ اس میں وہ تمام نقائص موجود نہ ہوں گے جو موجودہ بنک کاری کے اداروں میں پائے جاتے ہیں۔ معاشرہ میں

اب جیسے بنک ہیں ان کو اسلامی ریاست میں قایم رکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان میں دو ترمیمات کر دی جائیں :-

۱- امانتوں پر سود دینے کی اجازت نہ ہو۔ یہ امر چنداں دشوار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت بھی انگلستان میں کوئی بنک چالو امانتوں پر سود ادا نہیں کرتے انگلستان میں میعادی امانتوں پر جو معمولی سود دیا جاتا ہے اور جس کی شرح ½ سے ایک فیصد سالانہ تک ہے اُسے پس اندازی کو متاثر کئے بغیر آسانی سے اڑایا جا سکتا ہے۔

۲- بنک اپنے گاہکوں کو جو قرضے دیئے اس پر کسی قسم کا سود وصول نہ کرے۔ بہت سے لوگوں کو یہ نہایت ہی انقلابی اور ناقابلِ عمل سفارش معلوم ہوگی اور وہ فوراً کہہ اٹھیں گے کہ یہ سفارش کتنی بیہودہ ہے۔ بنک اپنی خدمت کا معاوضہ لئے بغیر اپنے کاروبار کیسے انجام دے سکتے ہیں۔ سود کو مسدود کرنے کے خلاف یہ بہت ہی اہم اعتراض معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ہم ٹھنڈے دل اور غیر جانبداری سے غور کریں تو یہ اعتراض اتنا اہم نہیں معلوم ہوگا جتنا کہ بظاہر دکھائی دیتا ہے۔ اگر بنک بغیر سود کے امانتیں وصول کرتے ہیں اور اس پر انھیں کسی قسم کی ادائیگی نہیں کرنا پڑتی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ بغیر سود کے لوگوں کو قرض نہ دے سکیں۔ اس کے جواب میں یہ فوراً کہا جائیگا کہ ایسی صورت میں وہ اپنے عملہ کی تنخواہیں اور دیگر مصارف کہاں سے پورے کریں گے۔ لیکن یہ سوال بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ ملک میں دواخانے اور رفاہ عامہ کے دیگر اداروں کے اخراجات کہاں سے

پورے ہوتے ہیں؟ اگر بنک موجودہ معاشرہ کے واقعی سنگ بنیاد ہیں اور انکی خدمت معاشرہ کی بہتری اور بہبودی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس ادارہ کی خدمات بھی ضرورت مندوں کو مفت نہ دی جائیں اور اس کے اخراجات کا بار ملک کے محاصل پر اسی طرح نہ ڈال دیا جائے جس طرح کہ رفاہ عامہ کے اور اداروں کا بار ڈالا جاتا ہے۔ یہ بار چنداں گراں نہ ہوگا اگر ہم اپنے ذہن میں اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ اس مفت کی خدمت کی وجہ سے قومی دولت میں اضافہ ہوگا اور لوگوں کی محصول ادا کرنے کی قوت کا بڑھ جانا ضروری امر ہے۔ حکومت کو جو زیادہ محاصل سے آمدنی ہوگی اس میں سے وہ آسانی سے اس خدمت کا معاوضہ دے سکتی ہے لیکن اسلامی نظام میں بنک اس سے کچھ بڑھ کر خدمت کریں گے۔ بنک اسلامی نظام میں ملک کے لئے ایک اثاثہ کا کام انجام دیں گے اور اپنے اخراجات خود پورے کر سکیں گے۔ ذیل کے تجزیہ سے یہ امر واضح ہو جائے گا۔

موجودہ بنک کاری کے نظام کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ یہ گرم بازاری کو بڑھاتا ہے اور گرم بازاری کے زمانہ میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ ایسے ناموزوں کاموں میں شغل اختیار کریں جو بالآخر منفعت بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔ جب صنعتی کاروبار میں ترقی ہو رہی تھی تو بنک کھلے دل سے قرضے دیتے ہیں اور طرح طرح کی صنعتوں کو فروغ دینے میں مدد دیتے ہیں۔ جب قرضوں کی طلب بڑھنے لگتی ہے تو وہ شرح سود میں اضافہ کر دیتے ہیں کیونکہ گرم بازاری کے زمانہ میں زیادہ سود ملنے کی امید رہتی ہے۔

کاروباری ترقی کی اُمید پر صناع اور کارخانہ دار بڑھی ہوئی شرح پر قرض لینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ جب بنک یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ زیادہ رقمیں قرض دے چکے ہیں تو وہ رقموں کی واپسی کی کوشش کرتے ہیں اور یہ عام خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنے اثاثوں کو زیادہ سیال صورتوں میں رکھیں۔ چنانچہ قرضے واپس طلب ہوتے ہیں اور آئندہ مزید قرضے نہیں دیئے جاتے۔ صنعت خواہ اُس کی ساکھ اور مالی حالت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، اس کے لئے فوراً قرضے ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تخفیف و کمی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ بیکاری پھیلنے لگتی ہے اور کساد بازاری شروع ہو جاتی ہے۔

بنک اپنے مفاد کو صنعت کے مفاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ صنعت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ان کی حیثیت محض قرضخواہوں کی ہوتی ہے اور اُن کو صنعت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ بنک کاری کے نظام میں اس نمایاں نقص کو روز بروز زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ ان تمام ممالک میں جہاں نئی نئی صنعتیں قائم ہو رہی ہیں، اِس امر پر زور دیا جا رہا ہے کہ بنکوں کو چاہیئے کہ وہ صنعتوں کی ترقی میں زیادہ حصہ لیں اور اُن کے ساتھ گہرے روابط قائم رکھیں۔

یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب کہ بنک صنعت و حرفت اور تجارت کے لئے صرف قرض دہندہ نہ رہیں بلکہ اس کے حصہ دار اور شریک رہیں۔

اِسلام سود کی ممانعت کرتا ہے لیکن منافع اور شراکت کو جائز قرار

دیتا ہے۔ بنک اگر صنعتوں کو قرضہ دینے کی بجائے اُن کے حصہ دار بن جائیں اور ان کے نفع و نقصان دونوں میں شریک رہیں تو پھر ایسے بنکوں کے خلاف اِسلامی نظام میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ مالیات اور صنعت میں اِتحاد پیدا کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ یہ دونوں نفع و نقصان میں شریک رہیں۔ اِس اتحاد سے ملک کی صنعتی ترقی میں اضافہ ہوگا اور بنکوں اور صنعتوں میں زیادہ رابطہ پیدا ہو جائے گا۔ صنعت و مالیات کے یہ خوشگوار تعلقات صرف اِسلامی نظام کی صورت ہی میں قائم رکھے جا سکتے ہیں۔

اگر ایسا اشتراک بنکوں اور صنعت و تجارت کے درمیان عمل میں آجائے تو بنکوں کو جو نفع حاصل ہوگا وہ اُس سے کہیں زیادہ ہوگا جو ان کے اخراجات کی پابجائی کے لئے ضروری ہے۔ جب بنک صنعت کے قرض خواہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ اُس کے شریکِ کار رہیں گے تو ان کا تعاون پہلے سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوگا۔

ایک مشہور مغربی مصنف مسٹر جافری مارک نے اپنی کتاب "موجودہ بت پرستی" میں آزاد زر کے متعلق جو لکھا ہے اس سے بہت کچھ ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مسٹر مارک کی اِسکیم کے بعض حصوں سے اگرچہ مجھے اِتفاق نہیں ہے مگر آئندہ صفحات میں اِس کا خلاصہ اِس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اُن کے خیالات بعض اِسلامی اُصولوں سے ملتے جلتے ہیں۔
مسٹر مارک کی اِسکیم کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کی خانگی بنک کاری کو ممنوع قرار دیا جائے اور سود کو قطعی ناجائز سمجھا جائے۔ اس کی بجائے تمام امانتوں

پر ایک قسم کا محصول لگایا جائے۔

اُسے شائد یہ معلوم نہیں کہ آج سے ۱۳۶۴ برس پہلے اِسلام نے سود کی قطعی ممانعت کر دی تھی اور فاضل رقومات پر زکوٰۃ کی صورت میں ½۲ فیصد کا محصول عائد کیا تھا۔

ذیل میں ہم مسٹر مارک کی اِسکیم کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس کا عنوان ہے آزاد زر اور قرضوں کا خاتمہ۔

آزاد زر اور قرضوں کا خاتمہ

اُصول رِبا کے رواج اور قانونی طور پر جائز ہونے کے باعث زر اور اِعتبار نیز سونے کو جس پر اُن کی بنیاد ہوتی ہے عام طور سے ایسی اشیاء متصور کیا جاتا ہے جن کی خرید و فروخت قومی اور بین الاقوامی بازاروں میں ہو سکتی ہے۔ زر کا یہ لین دین آج کل کے بین الاقوامی مالی سوداگروں کا حقیقی لیکن نہایت مضرت رساں فریضہ ہے خواہ اُنھیں اِس کا اِحساس ہو یا نہیں۔ اِس قسم کے لین دین اور ربا کے تفوق کی وجہ سے زر کے بطور آلہ مبادلہ اِستعمال ہونے میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں حالانکہ فی الحقیقت یہی زر کا اولین اور واحد فریضہ ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل واضح کیا جا چکا ہے زر اور اِعتبار رہئیت سیاسی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کو کسی کی ملکیت نہیں

تصور کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی کسی کو اس کا استحقاق ہے کہ وہ زر کو ذخیرہ کرے اشیاء کے مبادلہ میں جو دقتیں پیش آرہی ہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ شغل اصل کا جذبہ ترقی پذیر رہتا ہے اور آمدنی سود کی ادائیگی میں صرف ہوتی ہے اور یہی سود در سود کا چکر معاشرے کے بہترین دماغوں کو ذہنی بیماریوں میں مبتلا رکھتا ہے اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں پایا جاتا ہے موجودہ معاشرے میں ضرورت سے زیادہ فنون۔ صنعت اور عمرانیات کے ہر شعبے میں جو عقلیت پسندی کے رجحان پائے جاتے ہیں وہ بھی سود خوری کی ہوس کا نتیجہ ہیں۔ زر کو محض اشیاء اور خدمات کے مبادلہ کے لئے استعمال ہونا چاہیئے اس طرح اس کی اپنی کوئی قدر نہیں ہو سکتی۔ اس نظرئیے کی روشنی میں زر کی اجرائی اور گردش بطور آلہ مبادلہ عمل میں آنی چاہیئے تاکہ معاشرے کی تخلیق کردہ اشیاء اور خدمات حاصل کرنے کے لئے اسے استعمال کیا جائے۔

ایسی کیفیت پیدا کرنے کے لئے جس میں زر کو محض آلہ مبادلہ تصور کیا جائے ضرورت اس کی ہے کہ مالی نظام میں ایسی تبدیلی کر دی جائے کہ لوگ پس انداز کرنے اور اُس کے بعد اسے قرض دے کر سود کمانے سے باز رہیں۔ دوسرے الفاظ میں انھیں صرف کرنے پر مجبور کیا جائے۔

یہ امر ایک لمحے میں ذہن نشین کیا جا سکتا ہے کہ افراد کے نزدیک پس اندازی کے دو محرکات ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ اُنھیں اس پر سود ملتا ہے دوسرے یہ کہ اس کی برعکس حالت میں ایک بے اطمینانی رہتی ہے۔ طرفہ یہ کہ یہ بے اطمینانی آج جبکہ سرمایہ کا دریا بہہ رہا ہے محض ربا کے باعث اُس زمانہ سے

بھی کہیں زیادہ شدّت اختیار کر چکی ہے جو اصل کی قلت کے دور میں پائی جاتی تھی۔

جب یہ اَمر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا کہ سود خوری ہی کی بدولت مصنوعی قلت وجود میں آتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ نہ صرف بنکوں کو بلکہ عوام کو بھی سود لینے سے منع نہ کیا جائے اور اِس طرح اِس بدعت کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود نہ کر دیا جائے۔ محض اِس وجہ سے کہ بنک اپنے قرضوں پر سود طلب کرنے کے مجاز ہیں اِن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اَمانتوں پر سود ادا کریں گے۔ خواہ وہ کتنی ہی تحلیل کیوں نہ ہوں۔ چونکہ قرضے خانگی طور پر بھی لئے جاتے ہیں اِس لئے قرض دہندہ جو سود بھی اُسے وصول ہو سکے قبول کرنے کا مجاز ہوتا ہے اِس صورت کو بہتر بنانے کے لئے مسٹر مارک نے مندرجۂ ذیل شرائط کو ناگزیر قرار دیا ہے۔

(۱) حکومتوں کا فریضہ ہے کہ ہر نوعیت کے زر پر خواہ وہ سکّے ہوں یا زر کاغذی ہو یا اِعتبار ان پر اپنا راست قابو رکھے اور تمام زر راست حکومت کی طرف سے جاری ہو۔ البتہ بنکوں کے ذمّے ایسے کاروبار کی نگرانی کی جا سکتی ہے جس کی وضاحت ذیل کی دفعہ ۶ میں کی گئی ہے۔

(۲) حکومت کو چاہیئے کہ ہر طرح کے سکّے خواہ وہ پیتل تانبے اور نکل کے ہوں اور خواہ سونے اور چاندی کے اور ہر قسم کے نوٹ خود جاری کرے اور اِتنی مقدار اور تناسب سے جاری کرے جو عملی طور پر بہترین اِفادیت رکھتی ہو یا جس مقدار کا بھی عوام کی جانب سے مطالبہ ہو۔ غالب گمان

اس کا ہے کہ اس قسم کی زر کی مقدار میں نمایاں تخفیف ہو جائے گی اس لئے کہ بیشتر ادائیاں چک کے ذریعہ ہوا کریں گی۔

(۳) تمام سکّوں کو خواہ وہ تانبے کے ہوں یا چاندی اور سونے کے ان کو یکساں حیثیت دی جائے اور خواہ وہ انفرادی یا مشترکہ طور پر کسی مقدار میں بھی پیش کئے جائیں زر قانونی کی حیثیت دی جائے۔

(۴) قومی اور بین الاقوامی دونوں میدانوں میں معیار طِلا کا اندرونی وخارجی قرضوں کی اساس کی حیثیت سے قطعی طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ سونے کو فلزی زر کی تسکیک کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اسکی خرید و فروخت بحیثیت ایک معمولی شئے کے بازاری قیمت پر ہونا چاہیئے سارے بیرونی قرضوں کی ادائی اشیاء کی شکل میں ہو۔

متذکرہ چار شرائط کے علاوہ مندرجہ ذیل دو شرائط بھی نمایاں اہمیت رکھتی ہیں۔

(۵) قرضے صرف قرض لینے والوں کے متنقل اثاثوں کی ضمانت پر دیئے جائیں۔ توسیع زر صرف انھیں اثاثوں کی ضمانت پر عمل میں آنی چاہیئے۔ اور اگر یہ ادا نہ کئے جائیں تو جائداد قرق کر لی جائے۔ چونکہ یہ سارے قرضے حکومت کی ملکیت ہوں گے اور بنکوں کو محض ایک درمیانی کڑی کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس لئے جتنے مال کی قرقی ہوگی وہ سب حکومت کے قبضہ میں چلا جائے گا اور معاشرے پر اُس کا کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

(٦) امانتوں پر محصول عائد کیا جائے۔ بنکوں کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ امانتوں پر سود دینے کی بجائے اپنے گاہکوں سے اُن کی امانتوں کی نگرانی کے لئے کچھ نہ کچھ رقم بطور معاوضہ وصول کریں اور اس رقم سے اپنے انتظامی اخراجات کی پابجائی کریں۔ علاوہ ازیں اگر ممکن ہو یا اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس محصول کو نظام محاصل کے ایک مستقل جزو کی حیثیت دی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے محصول کے باعث بچتیں اقل ترین معیار تک گھٹ جائیں گی۔ لیکن اس سے معاشرے کو کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ جوں جوں بچتیں بڑھتی جاتی ہیں اشیاء کی فروخت میں کمی ہوتی جاتی ہے ان حالات میں کیا یہ امر مبنی بر انصاف نہیں کہ ذخیرہ کرنے کے باعث جس طرح اشیاء کا معیار متاثر ہوتا ہے اس طرح بچتوں کی قدر میں بھی تخفیف ہونی چاہیئے۔[۱]

ظاہر ہے کہ جب کاروباری افراد کو حکومت کی جانب سے بلا سود قرضے ملنے لگیں گے تو یہ لوگ خانگی طور پر قرضے نہیں حاصل کریں گے جس کے باعث تمسکات یا دوسرے آلات قرض کا وجود ہی نہ رہے گا۔

---

[۱] یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سلسلے میں ہم پیدائش کی مکمل تقسیم سے ایک ایسے نظام کے تحت بحث کر رہے ہیں جس میں تجارت خارجہ کو زبردستی فاضل مقداروں کی کھپت پر مجبور نہ کیا جائے گا جیسا کہ عہد حاضر میں ہوتا ہے بلکہ اس کے برخلاف ایسا باہمی و اختیاری مبادلہ ہوا کرے گا جس سے دونوں فریقوں کو فائدہ ہو۔

من مانی قیمتوں پر سونے کی خرید و فروخت زر کے لین دین. حصص و تمسکات کے کاروبار۔ غرض موجودہ نظام قرض کے جملہ ساز و سامان کا خاتمہ ہو جائیگا۔ دلالوں اور شغلِ اصل کے اداروں کے تخمینی معاملات نیز ان کے دوسرے ہتھکنڈوں اور اقتدار سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ نہ نہ مالی وضمانتی ادارے ہوں گے اور نہ اِن اداروں کی بیجا مداخلت کے باعث حصص کے بازار میں فرضی توسیع یا کمی بیشی ہو سکے گی۔ اِس قسم کے لین دین پر ہر قسم کا کمیشن۔ ہنڈیوں پر ایک دفعہ یا اس سے زائد بٹّہ کاٹنا اور اس کے بعد ان کے لئے بولی بولنا سارے قومی قرضے اور ان کا سود۔ ٹریزری بلز کی خرید و فروخت کے سلسلے میں شدید مسابقت مختصر یہ کہ مبادلات خارجہ اور تخمین کے لئے قلیل المدت سرمایہ کی فراہمی کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اِس طرح ہر قسم کے قرضے (سوا اُن قرضوں کے جو حکومت کی جانب سے مِل سکیں گے) نیز ان کی اجرائی اور واپسی کے سارے انتظامات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ صنعت اور سماج کا مالی لین دین ایک مرکزی معتبر اور ذمے دار ادارے کی جانب سے ہوگا۔

ایک غیر جانب دار اور ماہر ادارے کے تفویض یہ فریضہ ہوگا کہ وہ صنعت کی ترقی و زوال کے پیشِ نظر مالی تبدیلیوں میں تغیّرات کی جانب توجہ دلاتا رہے اِس طرح دلال اور محض موجودہ شور و شغف اور غل غپاڑہ سے علیحدہ ہو کر معاشرے کی مادّی اور روحانی ترقی میں آزادی

سے حِصّہ لے سکیں گے۔ اِس طرح موجودہ دور کی طرح صنعت کی شہ رگوں سے خون کے آخری قطرے کو چوس لینے کی کوشش نہ کی جائے گی۔ اور ہم ایسی دُنیا میں قدم رکھنے کے قابل ہو سکیں گے جہاں مادّی فلاح و بہبود اور انفرادی و مجموعی ترقی کے حصول کے لئے مساوی مواقع موجود ہوں۔

آزاد زر کے دَور میں بحیثیت ایک احتیاطی تدبیر کے سود پر قرض کا خانگی لین دین قانوناً ممنوع قرار دیا جائے گا اور کیتھولک کلیسا کا دور دورہ ہوگا اور وہ نہایت شدّ و مد سے سود پر اپنے روایتی اِمتناع کی تجدید کرے گا۔

عام رجحان یہ ہوگا کہ بجائے پس انداز کرنے کے قرض لیا جائے اِس طرح مجموعی زر کی مقداریں (خواہ وہ محض کاغذ پر ہی سہی) مسلسل اِضافہ ہوگا اور اس کے پہلو بہ پہلو اُجرتوں تنخواہوں منافعوں اور اَشیاء کی مقداریں روز افزوں ترقی ہوگی۔ مزید برآں اس طرح افراطِ زر کی صورت نہ پیدا ہو سکے گی۔ اِس لئے کہ اول تو اِضافہ زر کے ساتھ ساتھ پیدائش اشیاء میں اِضافہ ہوگا اور حالات میں توازن و مساوات قائم رکھی جائے گی دوسرے یہ کہ چونکہ اُجرتوں۔ تنخواہوں اور منافعوں کی شکل میں جو رقوم تقسیم کی جائیں گی وہ ساری کی ساری خرچ کر دی جائیں گی اس لئے اشیاء کی قیمتوں اور مجموعی مصارف پیدائش میں کامِل توازن برقرار رہیگا۔ عہد حاضر میں اِفراط اور توسیع زر کے باعث قیمتوں میں محض اِس وجہ سے اِضافہ ہوتا ہے کہ بچتوں اور شغل اَصل میں

اضافے کا سبب خود یہ اضافہ زر بن جاتا ہے جس کے باعث لازمی طور پر اشیاء کی قیمتیں بڑھتی ہیں۔

اس مسئلہ کو کامل طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ کارخانے سے چلر فروشی کی دکان تک پہنچنے کے لئے اشیاء کو متعدد منازل سے گذرنا پڑتا ہے۔ ان منازل سے ہر وقت اشیاء کی ایک مقدار گزرتی رہتی ہے اس لئے کہ اس کے برعکس صورت میں نظام پیدائش کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اشیاء فوری طور پر خریداروں کے لئے فراہم نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ "وافر اور فاضل مقداریں" (یعنی وہ اشیاء جنھیں فوراً خریدا اور استعمال نہیں کیا جاتا) نتیجہ ہوتی ہیں بچتوں اور شغل اصل کا اس لئے ہر وقت امانتوں کی مجموعی مقدار اتنی ہونی چاہیئے جو ان اشیاء کے جو درمیانی منزل سے گزر رہی ہوتی ہیں ان کے مساوی ہو۔ جیسے جیسے نظام پیدائش میں توسیع ہو اس قسم کی اشیاء کے مالیاتی مبادل اور مجموعی بچتوں میں متناسب اضافہ ہونا چاہیئے۔ اس کی برعکس صورت میں جوں جوں نظام پیدائش تنگ ہوتا جائے اس قسم کی اشیاء کے مالیاتی مبادل اور مجموعی بچتوں میں متناسب اضافہ لازمی ہے غرض یہ کہ زر کے متذکرۂ بالا ادارے کا یہ فریضہ ہونا چاہیئے کہ وہ امانتوں پر محصول میں اس طرح کمی بیشی کرتا رہے کہ مجموعی بچتوں اور بقول پروفیسر ساڈی کے "نلوں سے گذرتی ہوئی" اس دولت کے مالی مبادل میں توازن قائم رہے۔ امانتوں پر یہ بدلتا ہوا محصول جو وقتاً فوقتاً

ایک غیر جانبدار ماہر زر کی جانب سے معین ہو گا۔ ایک ایسی حقیقی شرح بنک کا کام دے گا جس کی خصوصی غایت صارفین کے مابین صنعت کی پیداوار کی تقسیم میں سہولت بہم پہنچانا ہو۔

اگر عملی طور پر یہ محسوس کیا جائے کہ اس قسم کے محصول سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ اُن مصارف سے بہت زیادہ ہے جو نظام بنک کاری کو کامیابی سے چلانے کے سلسلے میں برداشت کرنا پڑتے ہیں تو اس بچت کو خزانہ میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ بالفرض اگر اس محصول کی آمدنی ناکافی ثابت ہو تو راست محاصل کے ذریعے اس کی تلافی کی جائے۔

چونکہ افراد اور کاروبار کے لئے مزید بچتیں درکار رہوں گی اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ حکومت اُنھیں اپنے قبضہ میں لے کر سماج کے مجموعی مفاد کے لئے صرف کرے۔ ایسی صورت میں جبکہ حکومت زر کی تخلیق اور کمی بیشی کی مالک ہو جائے گی تمام محاصل کا مقصد ایک طرف تو یہ ہو گا کہ ہر قسم کی شخصی اور تجارتی بچتوں سے استفادہ کیا جائے تو دوسری جانب اُنھیں صرف کر کے اشیاء کی فاضل مقداروں کی معقول تقسیم کی جائے۔

اگر اس مسئلے کا مطالعہ اس روشنی میں کیا جائے تو پھر اس کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہتی کہ معاشرے کی یہ بچتیں جنھیں محصول کے ذریعے وصول کیا گیا ہے بیمے کے منافع یا وظائف پیری یا کسی دوسری سماجی خدمت پر صرف کی جائیں۔ اگر بیمے کے سلسلے میں انفرادی صورت کو اشتراکی صورت پر ترجیح دی جائے تو ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص سے جتنی بچتیں

حاصل ہوں اُن کا علیحدہ حساب رکھا جائے تاکہ اس محصول کے تناسب سے اس کو دوران معذوری یا ضعیفی امداد دی جا سکے۔ اہم ترین اَمر یہ ہے کہ اِن بچتوں کو صرف کرنے میں زیادہ سے زیادہ عجلت کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ معاشرہ اپنی کوششوں کے ثمرے سے جلد سے جلد مستفید ہو سکے[۱]۔

جب آمدنی وصول ہونے کے فوراً بعد صرف کر دی جائے گی تو لازمی طور پر قرض جلد ادا ہوگا۔ نئے قرضوں کے باعث نئی آمدنیاں وجود میں آئیں گی۔ ایسا مال جو حکومت نادہندگی کے سلسلے میں قرق کرے گی اس کے فوراً بعد کھلے بازار میں فروخت کیا جائے گا۔

غرض اِس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ بچتوں پر مسلسل محصول عائد کر کے (اور اگر ضرورت محسوس ہو تو راست آمدنیوں پر محصول کے ذریعے) حکومت بغیر قرض لئے ہوئے نہ صرف موجودہ بیمے اور عوام کے اِمدادی اسکیموں کی مالی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے بلکہ مندرجہ ذیل اُمور کے لئے اس سے زیادہ وسیع تجاویز کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے۔

(۱) شفاخانوں۔ مراکز گداگری۔ پاگل خانوں اور جیل خانوں کی

---

[۱] مسٹر جافری مارک کی رائے میں ہر قسم کے بیمے کی اسکیموں پر حکومت کا قابو ہونا چاہیئے تاکہ سارے منافع کو معاشرے کے مفاد کے لئے صرف کیا جا سکے۔ بیمہ کمپنیوں کا کاروبار اِس ایقان پر ہوتا ہے کہ انہیں منافع حاصل ہو گا جس کے باعث اُسے بھی ایک سود خوروں کا شکنجہ تصور کرنا چاہیئے۔

تعمیر اور قیام کے لئے۔

(۲) جملہ کارہائے عامہ کے لئے خواہ ان کی نوعیت تجارتی۔ معاشری فنی یا اخلاقی ہو۔

(۳) ایسے افراد جو ایک معینہ عمر سے تجاوز کر جائیں ان کی صنعت سے اختیاری علاحدگی اور گزر بسر کے لئے انتظام۔

(۴) نوعمر افراد کی تعلیم وغیرہ کے انتظامات کے لئے تاوقتیکہ وہ ہر سماجی معیار کے مطابق صنعت میں عملی حصہ لینے کے قابل ہو جائیں۔

یہاں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہمیں اِن خدمات کے سلسلہ میں سرکاری انتظامات کو خانگی بلدی انتظامات پر ترجیح دینا ہرگز مقصود نہیں اگر اِن سماجی خدمات کی مالی ضروریات کی تکمیل بجائے قرضوں کے بچتوں کے ذریعہ ہوتی رہے تو ہمیں اس امر سے قطعاً کوئی سروکار نہیں کہ اِن ضروریات کو خانگی اَمانتوں کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے یا اِن امانتوں پر بلدیات یا حکومت کی جانب سے محصول عائد کر کے اس کا انحصار کہ کس حد تک اِن خدمات کو سرکاری قابو میں رکھا جائے گا اور کس حد تک خانگی ہاتھوں میں اِس امر پر ہے کہ حکومت یا بلدیات کی جانب سے جو محصول عائد ہو گا اِس میں مسلسل اضافے کے مقابلے میں کس حد تک بچتیں قائم رہ سکیں گی۔

فی الحقیقت کسی ایسے بلدی یا سرکاری خزانہ کا تصور دشوار ہے جو نہ تو مقروض ہو اور نہ اسے مزید طویل المدت اور قلیل المدت قرضوں کی

حاجت ہو۔ لیکن میں نے جن حالات کا خاکہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا ہے
اس کے تحت حکومت یا بلدی ادارے کا فرض صرف یہ ہوگا کہ وہ محصول کی
صورت میں (اس دولت کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جو ابھی کارخانے اور چلر فروش
کی درمیانی راہ طے کر رہی ہے) ساری بچتوں کو حاصل کئے بغیر اگر ضرورت
محسوس ہو تو اس آمدنی میں راست محصول اندازی کے ذریعے اضافہ کرے
اور بالآخر ان بچتوں کو سماجی خدمات پر معاشرے کے مجموعی مفادات کو ملحوظ
رکھتے ہوئے صرف کرے۔

اس قسم کے حالات کی موجودگی میں کوئی بخیل جتنی خفت کرے گا
اس کے تناسب سے معاشرے کو اس کی ذات سے فائدہ پہونچے گا۔ لیکن
یہاں ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ لفظ "بخیل" میں وہ تمام افراد
شامل ہیں جو سونا۔ سکے۔ نوٹ یا اعتبار غرض کسی شکل میں بھی زر کو ذخیرہ
کرتے ہیں۔ زمانۂ ماضی کا بخیل جو سونا چاندی جمع کر کے پھولا نہ سماتا تھا عہد
حاضر کے بخیل سے جو اپنی آمدنی کا برائے نام حصہ صرف کرتا اور کافی پس انداز
کرتا ہے بہت زیادہ مختلف نہ تھا۔ موجودہ دور میں ہر قسم کے زر کی گردش
خواہ وہ سکوں یا نوٹوں یا تمسکات کی شکل میں ہو یا زر کے ہر قسم کے ذخیرہ
ایسے رجحانات ہیں جنھوں نے موجودہ صنعت کے وجود کو ہی محال بنا دیا ہے
کیونکہ ربا کی موجودگی میں ہمارا سماجی نظام ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے
جو صنعتی ترقی کی راہ میں سنگ گراں کی طرح حائل رہتا ہے۔

جس نظام کا نقشہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے اُس کے تحت

مرکزی بنک کے پاس سارے اندرونی معاملات کی تفصیلات رہیں گی۔ نیز جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔ نظامِ بنک کاری کی جانب سے جو قرضے دیئے جائیں گے اور جن کے باعث ایک طرف کلوں اور اشیاء کی پیدائش عمل میں آئے گی دوسری جانب اُجرتوں۔ تنخواہوں اور منافعوں کی تقسیم ہوگی اِن کا تعین معاشرے کی ساکھ کے اعتبار سے ہوگا۔ اِن قرضوں کی ادائی چونکہ اشیاء کی خریداری اور استعمال سے عمل میں آئے گی اس لئے اُنہیں جملہ اداشدنی قرضوں کے سامنے درج کیا جائے گا۔ بقایا جس سے مراد وہ اشیاء ہوں گی جو موجود تو ہوں لیکن جنھیں استعمال نہ کیا گیا ہو حکومت کے پاس جمع رہے گا۔

اس نظام کے تحت ایک زر کا تحقیقاتی ادارہ قائم کیا جائے گا۔

زر کے تحقیقاتی ادارے کا فرض یہ ہوگا کہ وہ بچتوں پر محصول ہیں اس انداز سے کمی بیشی کرتا رہے کہ جملہ اجراشدہ قرضوں اور وصول طلب قرضوں کے درمیان حتی الامکان توازن قائم ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے دورانِ ترسیلِ دولت کے توازن کی شرائط کا لحاظ کرنا پڑیگا۔ یہ فیصلہ اہم اور ضروری ہے لیکن یہ زیادہ دشوار گزار نہیں ثابت ہوگا۔ حکومت کا کام یہ ہوگا کہ وہ عوام کی فلاح وبہبودی کے محافظ کی حیثیت سے جن سماجی خدمات کو ضروری تصور کرتی ہے ان کی فراہمی کے لئے اس کا تصفیہ کرے کہ بچتوں پر محصول کے علاوہ کتنی رقم راست محاصل کے ذریعے سے وصول کی جائے؟ تجارت خارجہ کے سلسلے میں نظام بنک کاری کا

فرض یہ ہوگا کہ بجائے ہنڈیوں پر بٹہ کاٹنے کے ملکی تاجروں کو بلا سود قرضے دیئے۔ یہ قرضے بھی دوسرے قرضوں کی شکل معاشرے کے اعتبار کے لحاظ سے معین ہوں گے۔ اِن قرضوں کی ادائی درآمد کئے ہوئے مال کی فروخت کے ذریعے ہوگی۔ اِس طرح برآمد کا خانہ ادائی کا ہوگا اور درآمد کا خانہ وصولی کا۔ یعنی اِس نظام میں تجارت کے صحیح اُصولوں پر عمل ہو سکے گا۔

اِس نظام کے تحت کسی ملک کا گلا نہیں گھونٹا جائے گا کہ وہ یا تو موافق توازن تجارت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یا موجودہ زمانے کی شکل ناموافق توازن تجارت کے مصائب برداشت کرے۔ کوشش محض اس کی جائے گی کہ قومی تجارتی حسابات کو اِس طرح متوازن کیا جائے کہ اشیاء سے اشیاء کا اختیاری لین دین ہو اور اِس لین دین میں اشیاء کی قسم یا تنوع میں تغیر تو ہو۔ لیکن اِن کی مجموعی مالی قدر یکساں رہے۔ البتہ مالی اِعتبار اور قوتِ خرید کے لحاظ سے بحیثیت مجموعی یکساں لوگوں میں اندرونِ ملک تیار کی ہوئی اشیاء اور بیرونِ ملک سے برآمد کی ہوئی اشیاء کی تقسیم کا مسئلہ حسبِ سابق رہے"۔

اگر مسٹر مارک نے سود کے اِسلامی نظریہ کے مطالعے کی زحمت گوارا فرمائی ہوتی تو یقیناً ان کا کام سہل ہو جاتا اور بجائے ایک طول طویل اور پیچیدہ طریقِ استدلال اختیار کرنے کے انھوں نے ایک سیدھی سادی توضیح پیش کی ہوتی۔

اِسلام نے حکومت کو زر کے سلسلے میں حرفِ آخر کی حیثیت دی ہے

بیت المال سرکاری بنک کے فرائض انجام دیتا ہے اور بے کار و فاضل ذخیروں پر جو ڈھائی فی صد کا محصول بطور زکوٰۃ عائد ہوتا اسے ان مقاصد کے حصول پر صرف کیا جاتا جن کی وضاحت گزشتہ سطور میں کی جا چکی ہے امانتیں نہ صرف بغیر کسی معاوضے کے قبول کی جاتی بلکہ بعض صورتوں میں امانت رکھوانے والے کو ایسی رقم کی حفاظت کے معاوضے کے علاوہ ہر سال کے خاتمے پر زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوتی[شہ] اگر یہ رقم سال بھر تک اُن کی ضروریات سے بچی رہے۔ اِس محصول کے باعث ایک طرف ایسی رقوم کی فراہمی میں سہولت ہوتی جن سے غرباء و مساکین کی اِمداد ہو سکتی تو دوسری جانب یہ محصول لوگوں کے لئے فاضل و بے کار سرمایہ کو کاروبار میں لگانے کی ترغیب کا موجب بنتا۔

غرض اِسلامی نظام نے تجارت اور مالیات کے تعاون کے ذریعے صنعتی و تجارتی ترقی کی ایک نئی شاہراہ کھول دی۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اُس نے سود کے لین دین کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیتے ہوئے محض ایسے کاروباروں میں شغل اصل اور شراکتوں کی اِجازت دی جن میں کاروباری خطرات کی مساویانہ تقسیم کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہو اور

شہ اِنگلستان میں چالو کھاتوں پر جن میں معمولی رقم جمع رہے بالعموم سالانہ ایک پونڈ کی رقم بطور معاوضہ وصول کی جاتی ہے۔ وہاں پر کسی چالو کھاتہ پر خواہ اس میں کتنی رقم کیوں نہ ہو سود نہیں دیا جاتا۔

شراکت کرنے والے نفع و نقصان دونوں میں شریک رہیں۔

الغرض اسلام نے وہ تمام امور ہم کو آج سے ۱۳۶۴ برس پہلے بتا دیئے ہیں جن کے حل کے لئے غربی محقق آج سر ٹیک رہے ہیں۔ اسلام نے ربا کو معاشرے کے لئے زہر قاتل قرار دیا ہے۔ موجودہ معاشرے میں ربا کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا تذکرہ آئندہ باب میں کیا جائے گا۔

پانچواں باب

معاشرے پر ربا کے اثرات

ربا اور ایسے قرضوں کے اثرات جو کہ صرف کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں کم و بیش ہر شخص پر روشن ہیں۔ چنانچہ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف ایسے قرض لینے والے تباہ حال ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف یہ قرضے قرض دینے والوں کی بد اطواری اور بد اخلاقی کا باعث بن جاتے ہیں۔ عام طور سے کہا یہ جاتا ہے کہ ہندوستان میں "کاشتکار مقروض پیدا ہوتا ہے، مقروض زندہ رہتا ہے اور مقروض ہی مرتا ہے[1]" اگر کوئی شخص ایک مرتبہ ساہوکار کے شکنجے میں گرفتار

[1] زراعت کے شاہی کمیشن کی رپورٹ۔

ہو جائے تو وہ سود کی مسلسل ادائی کے بعد بھی کبھی آزاد نہیں ہوتا۔ طرفہ یہ کہ اکثر اوقات وہ مجموعی رقم جو وہ سود کی شکل میں ادا کرتا ہے اِس اصل کے مقابلے میں جو کہ اس نے قرض لیا تھا کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اِس کے باوجود بھی اصل کو بے باق کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

سر میلکم لائل ڈارلنگ اپنی مشہور تصنیف "پنجاب کا کاشتکار قرض اور خوشحالی میں" لکھتے ہیں کہ پنجاب کا کاشتکار جو سود ادا کرتا ہے، وہ مجموعی مالگذاری کی رقوم سے دوگنا ہوتا ہے۔ پنجاب کے کاشتکاروں اور ساہوکاروں کی غربت اور خوشحالی کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ ہر دیہات میں عام طور سے بہترین مکان ساہوکار کا ہوتا ہے[1]۔ اِس سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ ساہوکار ملک کی دیہی معیشت میں ایک اہم خدمت انجام دیتے ہیں اور ضرورت کے وقت کاشتکاروں کی امداد کرتے ہیں۔ لیکن اِس خدمت کا جو معاوضہ طلب کیا جاتا ہے وہ اِس خدمت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

کسی نے بہت صحیح کہا ہے کہ قرضدار کو ساہوکار اسی طرح سہارا دیتا ہے جیسے رسی، اُس شخص کو جسے پھانسی دی جائے۔

یہ امر نہایت تعجب خیز ہے کہ متمدن اور مہذب مغربی ممالک اور

---

[1] سر ملکم لایل ڈارلنگ کی کتاب "پنجاب کا کاشتکار قرض اور خوشحالی میں"

ممالک متحدہ امریکہ میں جہاں حکومت سماجی خدمات کے سلسلے میں بہت کافی روپیہ صرف کرتی اور اس طرح زندگی کی اکثر سہولتوں کو مفت یا برائے نام قیمت پر فراہم کرتی ہے کسی قسم کے ایسے انتظامات موجود نہیں جن سے حاجت مند افراد کو بلا سود معمولی شرح پر قرضے مل سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بد قسمت افراد اشیاء گروی رکھنے والوں کے پنجے میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اکثر انہیں اپنی عزیز اور ضروری اشیاء سے جدائی اختیار کرنی پڑتی ہے مثلاً پوشاک وغیرہ اس طرح وہ ایسی بھاری شرح سود پر قرض لیتے ہیں جس کی قانون تو اجازت دیتا ہے لیکن جس کا یقین ہمیں مشکل ہی سے آسکتا ہے۔ انگلستان میں قانون رہن رکھنے والوں کو ۴۰ فیصد تک سود وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے[۳۵]۔ ممالک متحدہ امریکہ میں مختلف ریاستوں میں ۳۰ سے ۶۰ فیصد تک سود وصول کرنے کی وہاں کے قوانین اجازت دیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسی بھاری شرح سود کے جو تباہ کن اثرات معاشرے کے ادنیٰ طبقات پر رونما ہوتے ہیں ان کی تفصیل غیر ضروری سی ہے۔ المختصر اس قسم کے قرضے ایک طرف قرض لینے والوں کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان کی بدولت قرض دینے والوں کا ایک حریص، خود غرض اور غیر ہمدرد اور لالچی طبقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ صورت صرف غریب ممالک ہی میں موجود نہیں بلکہ برطانیہ اور ممالک متحدہ امریکہ

---

۳۵ انگلستان کا قانون بابت ساہو کاران۔

جیسے دولتمند ممالک بھی اِس مرض کا شکار ہیں۔ مسٹر ریان کے مندرجہ ذیل بیان سے ایسے ممالک میں جو تہذیب و تمدن کی دوڑ میں بہت پیش پیش ہیں سود کے لین دین پر روشنی پڑتی ہے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔[لہ]

اِس امر پر زیادہ اختلاف رائے نہیں ہے کہ مزدور طبقے کو ایسے ممالک مثلاً انگلستان، ممالک متحدہ امریکہ اور جرمنی جہاں کا نظام بنک کاری خاصہ ترقی یافتہ ہے۔ قرض کے لین دین کی برائے نام سہولتیں حاصل ہیں۔ ایسی حالت میں مزدور طبقے کے لئے سوائے اِس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ قرض کی شدید ضرورت کو دوسرے ذرائع سے پورا کرے۔

ممالک متحدہ امریکہ میں مزدور آبادی کا تقریباً نصف حصہ برجن جرن کے تخمینے کے مطابق بنک کاری کی سہولتوں سے محروم ہے۔[شہ] ایک اور تخمینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں مجموعی آبادی کا ۲۰ فیصدی حصہ جسے حقوق رائے دہندگی حاصل تھے ساہوکاروں سے قرض لیتا تھا۔ اعتباری تنظیم کی اِس خامی کو ممالک متحدہ امریکہ میں عام طور پر محسوس کیا جا رہا ہے اور ممالک متحدہ کی وزارتِ عمال نے اپنے سرکاری اعلامیہ میں اُسے صاف طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ بنک بحیثیت ایک ادارہ کے اِن افراد کی اکثریت تک نہیں پہنچ سکا ہے جن کی آمدنی ادنیٰ ہے۔ چنانچہ مالی مصائب کے وقت ان افراد کے لئے صرف دو راستے کھلے ہوتے ہیں۔ خیرات یا بیدرد

لہ ربا اور آبائی قرضے از مسٹر ریان۔

شہ مسٹر برجن جرن۔ امداد باہمی کی بنک کاری

ساہوکار ۔[6]

جرمنی میں ایسے ماہرین نے جن کو بنک کاری کے جدید مسائل سے کامل واقفیت حاصل ہے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جرمنی کے بنک اَب تک مزدور پیشہ طبقے اور چھوٹے آجرین کی برائے نام اِمداد کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جرمنی میں جو اِعداد و شمار شائع ہوئے ہیں ان سے اِس خیال کی توثیق ہوتی ہے۔

چھوٹے موٹے قرضے درحقیقت نتیجہ ہوتے ہیں شدید ضرورت کا متعدد فوری ضروریات مثلاً موت، علالت اور حادثات جن کے سلسلے میں فوری مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ خواہ روپیہ موجود ہو یا نہو مزید برآں اُجرتوں کی ہفتہ وار یا ماہانہ ادائی کے باعث موجودہ آمدنی میں سے ایسی گراں اشیاء خریدنا بہت دشوار ہوتا ہے جو کہ طویل مدت تک استعمال کی جا سکیں۔ مثلاً فرنیچر اور کپڑے۔ نتیجتاً دکانداروں سے قرض لینے کا رواج بڑھتا گیا ہے اور حالیہ سالوں میں اس نے ایک وسیع نظام کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں اقساط کا رواج جس کے باعث لاکھوں ڈالر کا کاروبار ہر سال ہوتا ہے اس امر کا اِظہار ہوتا ہے کہ قرصہ کی ضروریات کیسی شدید اور وسیع ہو چکی ہیں۔ نیز برطانیہ میں تحریک اِمداد باہمی نے بھی اقساط پر اشیاء فروخت کرنے کے سلسلے میں اپنے مسلک پر جو نظرِ ثانی کی ہے وہ بھی اِس اَمر کا ثبوت ہے کہ قرض کی طلب

---

[6] دیکھو رسالہ ماہوار بینکرز ریویو نومبر ۱۹۳۰ء

شدت اختیار کر چکی ہے۔ بالفاظ دیگر وہ قدیم محتاط، اور مالی لحاظ سے مضبوط تحریک اپنے سابقہ سخت اصولوں میں ترمیم کرنے پر مجبور ہو گئی جس کی راکڈیل کے بانیوں نے بنا ڈالی تھی۔ اس تحریک کا قدیم معیاری اصول یہ تھا کہ اشیأ صرف نقد قیمت پر فروخت ہوں اور مال ادھار ہرگز نہ دیا جائے۔

بظاہر احتیاط کے طریق پر ادھار مال اور اس کے نقائص سے انسداد کی معقول صورت یہ ہو سکتی ہے کہ لوگوں کو رقم قرض دینے کے لئے ایک معقول نظام کی تنظیم عمل میں آئے۔ لیکن فی الوقت اس قسم کے قرضوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ انفرادی قرض لینے والے کے پاس کافی ضمانت موجود نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہوئے۔ کہ وہ ربا کے نقائص کا مسلسل شکار رہتا ہے لہٰذا ضرورت اس کی ہے کہ نہ صرف قانونی طور پر اس کے بچاؤ کی صورت اختیار کی جائے بلکہ معقول بنیادوں پر اعتباری تنظیم کی کوشش ہو اور ایک ادارہ قائم کیا جائے جو اشیاء کی خریدی کے لئے لوگوں کو قرض دے سکے۔

مندرجہ ذیل سطور جن سے برطانیہ، ممالک متحدہ امریکہ اور ہندوستان وغیرہ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے اس امر کے اظہار کے لئے کافی ہیں کہ ربا کے انسداد کی کس قدر شدید ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم انگلستان امریکہ اور ہندوستان کی مثالیں دے کر یہ واضح کریں گے کہ سودی کاروبار کو روکنے کی ضرورت کس قدر اہم ہے۔

ربا برطانیہ میں

برطانیہ میں ربا کے دور رس اثرات کا اندازہ دارالعوام اور دارالامراء کی مشترکہ مجلس منتخبہ کی اس رپورٹ سے جو ۱۹۲۵ء کے مسودہ قانون ساہوکاران کے سلسلے میں پیش کی گئی تھی نیز ۱۹۲۴ء میں لیورپول میں ساہوکاری کے نقائص کے موضوع پر ایک تحقیق سے واضح ہوتے ہیں۔

ساہوکاری لین دین کی خرابیوں کا انگلستان میں لوگوں کو بہت کم احساس ہے۔ مجلس منتخبہ کے روبرو شہادت دیتے ہوئے مجلس ساہوکاران کے نمایندوں نے کہا "ساہوکارہ ایک شاندار کاروبار ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اس کا اندازہ پیش کرتا ہوں۔

جناب والا کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ اس ملک میں ۳۰ ہزار سے زیادہ رجسٹری شدہ ساہوکار ہیں[۱]" لیورپول میں ساہوکاری کے موضوع پر ۱۹۲۴ء میں وہاں کی انجمن خواتین کی صنعتی وسماجی اصلاحی کمیٹی کی جانب سے تحقیق ہوئی تھی اس سے اس امر کا انکشاف ہوا کہ لیورپول اور برکن ہیڈ میں جن کی مجموعی آبادی دس لاکھ تھی ۱۳۸۰ رجسٹری شدہ ساہوکار

---

[۱] اس حصہ کا مواد مسٹر پارو کی کتاب "امداد باہمی کی بنک کاری سے حاصل کیا گیا ہے۔

موجود تھے یعنی ہر ۷،۳۰ افراد کے مجموعے کے لئے ایک ساہوکار۔

سود کی شرحیں بھی کچھ کم قابل اعتراض نہ تھیں سر میکنزی چامرس (اسٹنٹ معتمد امور داخلہ) نے مجلس منتخبہ کے روبرو بیان دیتے ہوئے مندرجۂ ذیل الفاظ میں اِن شرائط پر روشنی ڈالی جن پر عام طور پر مزدور پیشہ طبقہ کو قرض ملتا تھا[۸]

"اصولاً دو ضمانتیں دینا ہوتیں ہیں جب ایک تحریری دستاویزہ پونڈ کے لئے لکھی جاتی تو ½-۴ پونڈ اس شرط پر دیئے جاتے کہ اگر کوئی قسط ناغہ ہوگئی تو جملہ قرضہ ½ پنس فی شلنگ فی ہفتہ کی شرح سے واجب الادا ہو جائے گا اس طرح میرے خیال میں ۲۵۰ فیصد سے زائد سود ادا کیا جاتا علاوہ اس کے ساہوکاروں کو جو سود ادا کیا جاتا وہ اکثر ۴۰۰ فیصد سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔

عام طور پر ایک پنس فی شلنگ فی ہفتہ یعنی ۴۳۳ فیصد سالانہ کی شرح سے سود وصول کیا جاتا لیورپول کی ایک سو ساہوکاری کا کام کرنے والی عورتیں اپنے گاہکوں سے اِسی شرح سے سود وصول کرتی ہیں۔ اور ایسے واقعات بھی منظر عام پر آئے ہیں جب کہ ایک پنس۔ دو پنس یہاں تک کہ تین پنس فی شلنگ فی ہفتہ سود کی شکل میں وصول کئے گئے ہیں[۹]۔

۸؎ انگلستان کی منتخبہ کمیٹی متعلقہ سودی کاروبار۔ لندن ۱۹۲۵ء۔

۹؎ دیکھو سر میکنزی چامرس کی شہادت جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔

غرض قرض لینے کی یہ عادت دائمی ہو جاتی ہے اور قرض دار پہلے قرض کو ادا کرنے کے لئے دوسرا قرض لیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے قرض کی رقم دوسرے قرض سے منہا کر دی جاتی ہے۔ اور اس طرح قرض دار کو قرضہ سے دوگنی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ مجلس منتخبہ کی رپورٹ میں متعدد ایسے قرضداروں کی مثالیں درج کی گئیں ہیں جو ہمیشہ کے لئے ساہوکار کے پنجوں میں پھنس گئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مثالوں کو صحیح تصور کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ایک عورت نے ۵ سال کے عرصے میں ۱۰ قرضے لئے جس کے عوض اس کو بھاری رقم ادا کرنا پڑی ہر دفعہ سابقہ قرض کو ادا کرنے کے لئے وہ نیا قرض لیتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے آخرکار ۱۱۰ پونڈ ادا کرنا پڑے۔ حالانکہ اسے صرف ۳۰ پونڈ ملے تھے۔

اس نظام ساہوکاری کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ غریب اور دولتمند طبقہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ساہوکاروں نے اپنے آپ کو مخصوص کر رکھا ہے اور غرباء سے خاص طور پر بھاری شرح سے سود وصول کیا جاتا ہے۔ یوریول کی کمیٹی کے سامنے ساہوکاروں کے مختلف طبقوں کی مندرجۂ ذیل تفصیلات پیش کی گئی تھیں۔

(۱) وہ ساہوکار جنھوں نے اپنے آپ کو دولتمند طبقہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ ان کی اقل ترین شرح سود ۲۲ فیصد تھی۔ انھیں ایسے متعدد قرضداروں سے سابقہ پڑا تھا جن کی نادہندگی سے اُن کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اُن کی شرائط قرض

دوسرے ساہوکاروں کے مقابلے میں بہت زیادہ نرم وسہل تھیں۔
(۲) وہ ساہوکار جنھوں نے اپنے آپ کو غریب طبقہ کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ ایک، دو، اور تین پنس فی شلنگ فی ہفتہ یعنی علی الترتیب ۴۳۳، ۸۶۶، اور ۱۳۰۰ فیصد سالانہ کی شرح سے سود وصول کرتے ہیں۔[۱]

۱۹۳۰ء میں مزدور سبھا کمیٹی کی کونسل عامہ کے صدر نشین نے مزدور پیشہ طبقے پر ربا کے تباہ کن اثرات کو واضح کرتے ہوئے جو مضمون لکھا تھا اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حالات میں کسی قسم کی اصلاح نہ ہو سکی وہ رقمطراز ہے " متعدد کارخانوں میں ساہوکار موجود ہیں۔ کارخانے کا ساہوکار ایک ایسے شخص کا ایجنٹ ہوتا ہے جسے خود کارخانے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس ایجنٹ کا فرض یہ ہوتا ہے کہ ایسے بدنصیب مزدور کی تلاش میں رہے جسے قرض کی حاجت ہو۔ میں متعدد ایسے واقعات سے واقف ہوں جن میں ۵ پونڈ کے قرض پر ایک پنس فی شلنگ فی ہفتہ کی شرح پر سود ادا کیا گیا۔ ہر ہفتہ سود کی مقدار بڑھتی جاتی ہے لیکن اصل میں کمی کی نوبت نہیں آتی۔ اس قسم کے ایک واقعہ کا انکشاف جہاں نہایت غریب عورتیں ملازم تھیں لندن کے ایک کارخانے میں ہوا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو لیورپول کی کمیٹی کی رپورٹ سود کی خرابیوں کے متعلق جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔

دو برس میں ایک عورت نے ۵ پونڈ کے قرض پر ۱۲ پونڈ قرض ادا کیا تھا۔ اولڈ اسٹریٹ کی عدالت کے مجسٹریٹ مسٹر کلارک ہال اس پر بڑے برافروختہ ہوئے تھے کیونکہ ۸۰ فیصد شرح سے سود وصول کیا گیا تھا۔ لیکن شاید وہ یہ معلوم کرکے بالکل آپے سے باہر ہو جائیں کہ ۲۰۰ بلکہ ۳۰۰ فیصد تک شرح سود وصول کی جاتی ہے اور اس کا کوئی تدارک نہیں کیا گیا۔"[۱]

مندرجہ بالا واقعات پر نظر دوڑائی جائے تو یہ امر پائے ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ موجودہ صدی میں برطانیہ جیسے ترقی یافتہ اور متمدن ملک میں بھی ربا کے خلاف کشمکش کو محض برائے نام کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ آج سے سو برس پہلے بھی یک صد سینکڑہ شرح سود عام تھی۔

ممالک متحدہ امریکہ میں ربا

ممالک متحدہ امریکہ میں حالات انگلستان سے چنداں بہتر نہیں ہیں روپئے کی طلب شدید، ساہوکاروں کی تعداد کافی اور قرض لینے والوں کی کثرت ہے۔ نیویارک رسل سیج فاؤنڈیشن کے انسدادی قرضوں کی شاخ کے ناظم مسٹر ہیم نے ۱۹۱۱ء میں اپنے ایک خطبے میں کہا تھا کہ تیس ہزار سے زائد آبادی والے ہر شہر میں ہر پانچ ہزار افراد کے لئے ایک ساہوکار

---

[۱] اخبار ڈیلی ہیرلڈ لندن ۴ اگست ۱۹۳۰ء

اور ہر سو افراد میں سے پانچ قرض لینے والے موجود تھے لیکن اِس کے بعد سے حالات اور زیادہ اَبتر ہو چکے ہیں۔

ساہوکاری لین دین ممالک متحدہ امریکہ میں حد درجے پیچیدہ ہو چکا ہے۔ قانون کے خلاف ہونے کے باوجود امریکہ کے ہر شہر میں زیادہ شرح سود وصول کرنے والے موجود ہیں اور اُنہوں نے ایک مستحکم نظام قایم کر رکھا ہے۔ نہ صرف یہ "بیدرد ساہوکار" بہت زیادہ سود وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ بعض بنک بھی اُن کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسٹر ویلیمس ناظم کرنسی نے ۱۹۱۵ء میں اِس اَمر کا انکشاف کیا کہ ۷،۴۱۲ بنکوں نے جو ممالک متحدہ امریکہ کی چھتیس ریاستوں میں قایم تھے۔ ۲ ستمبر ۱۹۱۵ء کے تختہ حسابات میں اِس امر کا حلفاً اِقرار کیا کہ وہ اپنے بعض قرضوں پر جو سود وصول کر رہے تھے وہ اُس سے کہیں زیادہ تھا جس کی اِجازت وفاقی قانون یا ریاستی قانون کے ذریعے دی گئی تھی۔ پچیس ریاستوں میں ۱۰۲۲ بنک اپنے حلفیہ بیان کے مطابق اپنے تمام قرضوں پر بارہ اور بعض صورتوں میں اَٹھارہ فی صد تک سود وصول کر رہے تھے[۱۲]

اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ بیس منتشر بنک سو فی صد سالانہ سود وصول کر رہے تھے۔ اِن الزامات کی تحقیقات ۱۹۱۱ء میں ممالک متحدہ اَمریکہ کی ایک کمیٹی کی جانب سے ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ یہ الزامات بے بنیاد

---

[۱۲] اخبار نیویارک سن۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۱۵ء

نہیں تھے۔

سود کی یہ بھاری شرحیں صرف اِس قسم کے لین دین پر ہی نہیں بلکہ رہن پر بھی عائد کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس کا انکشاف نیویارک کی لاک وڈ کمیٹی نے کیا جو شہر میں رہائشی مشکلات کے موضوع پر تحقیقات کی غرض سے سنہ ۱۹۲۱ء میں مقرر کی گئی تھی۔ اس طرح اتفاقی طور پر بہت سی ایسی شہادتیں منظر عام پر آگئیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ چیزیں گروی رکھنے والے بیس فی صد سے پچاس فی صد تک سود وصول کر کے نیویارک کے قانون سود سے انحراف کر رہے تھے۔

ربا کی خرابی اس کاروبار میں بھی نہایت نمایاں طور پر موجود ہے جسے "تنخواہوں کی خریداری" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک رپورٹ میں اس کی مندرجۂ ذیل تفصیلات درج ہیں۔

"اُجرتوں کی فروخت ایک سیدھا سادا معاملہ ہے۔ قرض لینے والا تنخواہ کی خرید کرنے والوں کے دفتر پر جا کر دو فارموں پر دستخط کرتا ہے۔ جن میں سے ایک اُجرت یا تنخواہ کی فروخت کی درخواست ہوتی ہے اور دوسرا ایک معمولی فروخت کا فارم۔ فروخت کے بل پر قرضدار کو لکھنا ہوتا ہے کہ یہ قرض نہیں بلکہ فروخت ہے۔ صرف ایسے ہی لوگوں کو یہ قرض مل سکتا ہے جن کی اُجرتیں یا تنخواہیں واجب الادا ہوں۔ فروخت کے بل کی رو سے یہ معاہدہ طے ہو جاتا ہے کہ تنخواہ فروخت کرنے والے کی ماہوار یافت کمپنی مذکور کے حوالے کر دی جائے گی اور کمپنی کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی واجب الادا

رقم کے اپنے سود اور کمیشن اس میں سے وضع کرلے۔

تاریخ کے خانہ کو خالی رکھا جاتا ہے اگر بالفرض قرضدار تنخواہ کے دن رقم داخل نہ کرے تو ساہوکار موجودہ تاریخ درج کرکے آجر کو مطلع کر دیتا ہے کہ اس کے ملازم کی اُجرت راست طور پر اُسے ادا کی جائے۔ یہ شرح ۲۶۰ فیصد سے کم نہیں ہوتی اور بعض صورتوں میں تو اُس سے بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

شکاگو کے اِدارۂ خیرات کے سپرنٹنڈنٹ جوئل ہنٹر نے ۱۹۲۶ء میں اس مسئلے کے متعلق تحقیقات کے بعد یہ نتیجہ اُخذ کیا کہ بعض صورتوں میں شرح سود ۔ ۴ فیصد ماہانہ ہوتی ہے۔ یہ کمپنیاں محض اس خوف پر بھروسہ کرتی ہیں جو کہ اِن مظلوموں کے دل میں ہوتا ہے کہ اگر ہم بر وقت ادائیگی نہیں کرینگے تو ہماری پوری تنخواہ معاہدہ کی رو سے آجرین سے راست حاصل کر لی جائے گی۔

اِن خرابیوں کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ رجسٹری شدہ ساہوکار ایک صریح معاشی فریضہ انجام دیتا ہے۔ وہ قرض کی مسلسل طلب پر بھروسہ کرتا ہے جسے محض اِنسدادی تدابیر کے ذریعہ رفع کرنا محال ہے۔ چنانچہ میساچوسٹس کے اِدارۂ قرض کے نگران کار کی سالانہ رپورٹ سے اِس اَمر کی توثیق ہوتی ہے ”عام طور سے یہ غلط فہمی ہے کہ اگر مستند ساہوکار دیوالیہ ہو کر میدان سے ہٹ جائیں تو یہ ایک مستحسن صورت ہوگی۔ یہ خیال محض اِس مفروضہ پر قائم ہے کہ جب رجسٹری شدہ ساہوکار میدان سے ہٹ جائے

تو قرضوں کا لین دین بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ جب اجازت یافتہ ساہوکار میدان سے ہٹ جاتا ہے تو پھر غیر اجازت یافتہ ساہوکار کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ایک ضرورت ہے اور جب تک یہ ضرورت موجود رہے کسی نہ کسی رسد سے اس کی تشفی کی جائے گی۔

اسلام نے حاجت مند اشخاص کی قرض کی ضروریات کو بخوبی محسوس کرتے ہوئے انہیں بلا سود قرض دینے کی صریح ہدایت کی ہے۔

ہندوستان میں ربا کا کاروبار

ہندوستان کے متعلق دو سرکاری مطبوعات "ہندوستان کی اخلاقی اور مادی ترقی کی رپورٹ بابتہ ۳۰-۱۹۲۹ء" شائع شدہ لندن اور شاہی تحقیقاتی کمیشن برائے حالات مزدوران ۱۹۳۱ء" نے ہماری توجہ قرض کے اس سنگِ گراں کی جانب مبذول کروائی ہے۔ جو ہندوستان کے مزدور طبقہ کے افراد کے سینے پر رکھا ہے۔ نیز ان میں ربا کے نظام کا بھی حال بیان کیا گیا ہے جس کے باعث ملک میں زندگی کے عام حالات کی اصلاح کے سلسلے میں ہر کوشش سراسر ناکام ثابت ہوتی ہے۔ مزدور کمیشن کی رپورٹ میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ان اسباب میں جو مزدوروں کے ادنیٰ معیار زندگی کے ذمہ دار ہیں۔ مقروضیت ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

صنعتی مزدوروں کی اکثریت اپنی زندگی کے بیشتر حصّے میں مقروض رہتی ہے۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ اکثر صنعتی مقامات پر مجموعی آبادی کا ۲/۳ حصّہ قرض کا شکار ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اکثر صورتوں میں قرض کی مقدار ۳ ماہ کی مجموعی اُجرتوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ عام شرح ایک آنہ فی روپیہ ماہانہ یا ۷۵ فیصد سالانہ ہے۔ ۱۵۰ فیصد اور اس سے زیادہ شرحیں بھی عام ہیں چنانچہ ایک تحقیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک آنہ فی روپیہ فی ہفتہ یعنی ۳۲۵ فیصد سالانہ سود دیا جاتا ہے۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ قرض کی کارکردگی میں اضافے کے لئے ایک شدید رخنہ ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے باعث کام کا جذبہ ناپید ہو جاتا ہے[۱۳۱]

مختلف زرعی ممالک میں تحقیقات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رِبا ایک ایسا سماجی مرض ہے جس کا شکار لاکھوں افراد ہیں اور جس کی وجہ سے شدید مصیبت اور بدی کا سامنا ہے۔ ساہوکار شہر کی مزدور پیشہ آبادی سے کہیں زیادہ بیدردی سے زرعی ممالک کے چھوٹے مزارعین کا استحصال کرتے ہیں۔ پروفیسر ٹاسگ لکھتے ہیں کہ "اکثر نیم متمدن ممالک میں دیہی ساہوکار جو ناعاقبت اندیش اور حاجت مند افراد کو اعلیٰ شرح سود پر قرضے دیتا ہے لازمی طور پر موجود ہے۔ ہندوستانی کاشتکار کی آمدنی

---

[۱۳۱] دیکھو رپورٹ شاہی زرعی کمیشن مزدوران۔

برائے نام ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف حاجت مند ہوتا ہے بلکہ فضول خرچ بھی۔ لڑکے لڑکی کے شادی بیاہ پر یا کسی رشتہ دار کے کفن دفن پر قرض لیکر وہ اتنی رقم بہا دیتا ہے جو اس کی آمدنی کے لحاظ سے ہرگز متناسب نہیں ہوتی۔ ساہوکار اسے اپنے شکنجے میں کس لیتا ہے۔ یورپ کے بیشتر خطوں، آسٹریا، آئرستان اور روس میں جو ساہوکار کاشتکاروں کو چھوٹے چھوٹے قرضے دیتا ہے وہ عام طور پر بہت بھاری شرح سے سود وصول کرتا ہے۔ اسے کسی قسم کی مسابقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اس لئے وہ غریب اور جاہل افراد کو موقع کے لحاظ سے جی بھر کر لوٹتا ہے[۱۶۱]۔"

اس قسم کے قرضوں کا سب سے زیادہ مضر اثر کاشتکار پر پڑتا ہے کیونکہ ایسے قرض سے خاندان کی مجموعی پیداوار میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوتا جیسا کہ کارل مارکس نے بہت صحیح طور پر کہا ہے "ایسے قرضداروں کو بحیثیت پیداکنندوں کے کبھی قرض کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ ذاتی ضروریات کو رفع کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف ان قرضداروں کی معاشی حالت کی اصلاح کی ساری توقعات باطل ثابت ہوتی ہیں اور دوسری جانب ساہوکاروں کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے جس کے باعث دیہات میں ساہوکاری لین دین کے خلاف کشمکش دشوار سے دشوار تر ہوتی جاتی ہے[۱۶۲]۔"

---

[۱۶۱] پروفیسر ٹاسگ اصول معاشیات جلد اول۔

[۱۶۲] کارل مارکس کی کتاب "دی کیپٹل"۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہ ملک مفت تعلیم، مفت طبّی امداد اور اسی قسم کی دوسری سہولتوں کی فراہمی پر لاکھوں روپئے صرف کر سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ حکومت کی جانب سے صرف اور اسی قسم کے دوسرے مقاصد کے لئے حاجت مند افراد کو قرضے نہیں دیئے جاتے۔

اسلام نے اس قسم کی ضروریات کو رفع کرنے کے لئے بطور خاص گنجائش رکھی ہے۔ اول تو اس نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ اس قسم کے قرضوں پر کسی قسم کا سود وصول نہ کیا جائے۔ دوسرے بیت المال کے اسلامی ادارے سے بھی اس نوع کے بلاسودی قرضے دیئے جا سکتے ہیں۔ اسلام نے نہ صرف اس قسم کے قرضوں کے لئے گنجائش رکھی ہے بلکہ اس نے اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ خود اپنی اور سماج کی بہترین خدمت اس طرح انجام دے سکتے ہیں کہ وہ جب یہ محسوس کریں کہ قرضداروں میں ادائی کی سکت نہیں تو اصل رقم کو بھی معاف کر دیں۔

موجودہ زمانہ میں عام طور پر اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس قسم کے شخصی قرضوں کو جن کی مقدار مجموعی قرضوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ لیکن جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ لہٰذا بلا سود قرضوں کی بے انتہا ضرورت ہے۔ لیکن بیسویں صدی کا مہذب معاشرہ اس کا انتظام کرنے سے قاصر ہے۔

سود کے اثرات

غیر صرف کے قرضوں پر

وہ قرضے جو صرف کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں ان کے اثرات بھی کچھ کم ضرر رساں نہیں ہیں ذیل میں ہم ایسے قرضوں کی نوعیت اور اثرات پر روشنی ڈالیں گے۔

دورِ حاضر میں قرضوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) سرکاری قرضے۔

(۲) کاروباری قرضے۔

حکومت دو مقاصد کے لئے قرض لیتی ہے۔ (۱) پیدآور مقاصد کیلئے۔ (۲) غیر پیدآور مقاصد کے لئے۔ حکومت کے پیدآور قرضوں پر ہم کاروباری قرضوں کے سلسلے میں بحث کریں گے چونکہ یہ ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہوتے ہیں۔ یہاں ہم حکومت کے غیر پیدآور قرضوں پر سود کے اثرات پر روشنی ڈالیں گے۔ چونکہ اس قسم کے قرضوں میں سب سے زیادہ اہم جنگی قرضے ہوتے ہیں نیز چونکہ یہ فی زمانہ مرکز توجہ بنے ہوئے ہیں ہم لہٰذا ان پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

جنگی قرضوں کے اثرات

حکومت کی مقروضیت کا ایک اہم سبب وہ قرض ہے جو جنگ کے سلسلے میں لیا جاتا ہے۔ اور جس کی اب کوئی حد اور انتہا آسانی سے مقرر نہیں کی جائیگی۔ پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ کے ۱۳ برس بعد ۱۹۳۱ء میں ۲۸ ممالک نے جنگی قرض کے سلسلہ میں باون ارب ڈالر ادا کئے اس میں وہ رقم شامل نہیں جو جرمنی کو بطورِ تاوانِ جنگ ادا کرنا تھی اور جو ابتدا میں ۱۳ کھرب طلائی مارک مقرر کی گئی تھی۔ اب یہ معلوم کریں گے کہ دُنیا کی معیشت پر اس قسم کے قرضوں کے کیا اثرات مترتب ہوئے؟ بروکنگ انسٹیٹیوٹ کی ایک تصنیف میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ باوجود اس کے کہ ممالک متحدہ امریکہ سب سے اہم لین دار ملک تھا اس کتاب کے مصنفین مسٹر ہیرلڈ مولٹن جو امریکہ کے ایک نہایت ممتاز ماہر معاشیات ہونے کے علاوہ اپنی متعدد معیاری معاشی تصانیف کے باعث بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اور مسٹر لیو پسو لمسکی مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے ہیں۔

(۱) "ہر قسم کے تاوانِ جنگ اور جنگی قرضوں کا خاتمہ بجائے دُنیا کی معاشی خوش حالی میں رخنہ ثابت ہونے کے ممدو معاون ثابت ہوگا۔

(۲) لین دار ممالک کے لئے اِس قسم کے بین حکومتی قرضوں کی وصولی بجائے مفید ثابت ہونے کے مضرت رساں ثابت ہوگی۔

جنگی قرضوں کے مسئلے کے حقیقی مضمرات اب دنیا پر واضح ہو چکے ہیں ایسے قرضوں کی واپسی جو دراصل پیدآور معاشی امُور کا نتیجہ نہیں بلکہ جنگ کی تباہ کاریوں کا نتیجہ ہیں۔ بین الاقوامی معاشی توازن اور خوشحالی کے حصول کی راہ میں رخنہ بن جاتی ہے۔ جنگی قرضوں کی واپسی کے ذریعے اُن مشکلات کی تلافی ممکن نہیں ہے جن کی کہ دُنیا آج شکار ہے۔ علمِ معاشیات قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر جنگی قرضوں کے مضر اثرات کو ہمیشہ کے لئے ناپید کر دیا جائے تو یقیناً دنیا کی خوشحالی کو حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کا کام بہت سہل ہو جائے گا۔[۱۷۶]

یہ خیالات معاشی زاویۂ نگاہ سے اور میرے خیال میں اِسلامی نقطۂ نظر سے حد درجے اہم ہیں۔ اِسلامی زاویۂ نگاہ کی تشریح سے قبل ہم چند واقعات پیش کئے دیتے ہیں۔

جنگی قرضوں نے نہ صرف دُنیا کی معیشت پر مضرت رساں اثرات ڈالے ہیں بلکہ گذشتہ کساد بازاری جسے تاریخ عالم میں شدید اور طویل ترین تصور کیا جاتا ہے اسے برقرار رکھنے کا موجب یہی جنگی قرضے تھے۔ چونکہ ابتدائی جنگی قرضے بہت بھاری تھے اِس لئے اُن میں متعدد مرتبہ اِس مقصد کے

---

[۱۷۶] جنگی قرضے اور دنیا کی خوشحالی از موبیسو پسولسکی اور ہیرلڈ موئسن۔

پیش نظر تخفیف کرنا پڑی کہ قرضدار ممالک اُنہیں ادا کر سکیں لیکن بالآخر ۱۹۳۱ء
میں جبکہ پریسیڈنٹ ہوور نے اعلانِ التوائے قرض کیا اور جب ہٹلر برسرِ اقتدار
آیا اور اُس نے سارے جنگی قرضوں کو کالعدم قرار دیا تو ان اِلتواؤں کا خاتمہ
ہوگیا اس طرح گذشتہ جنگِ عظیم کا ایک نہایت حسرتناک باب انجام کو پہنچا۔
لیکن شومیٔ قسمت سے حالیہ جنگ میں جنگی قرضوں میں لامتناہی اضافہ
جاری ہے۔

یہ اَمر تعجب خیز ہے کہ باوجود اس کے کہ دورانِ جنگ اکثر یورپی ممالک
میں لازمی فوجی بھرتی ہوتی ہے لیکن سرمائے کو جبری طور پر حاصل نہیں
کیا جاتا۔ انگلستان کی مثال لے لیجئے جہاں اٹھارہ اور پینتالیس برس کی
عمر کے درمیان سارے صحت مند افراد اپنی زندگی مادرِ وطن کے لئے بھینٹ
چڑھانے پر مجبور تھے لیکن وہاں بھی سرمایہ کو جبری طور پر وصول نہیں کیا گیا
اس ضمن میں مسٹر جافری مارک کی تصنیف کے مندرجۂ ذیل طنزیہ فقرے
خالی از دلچسپی نہیں۔

"مالی استدلال کے برخلاف گر عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو یہی
خیال ہوگا کہ دوسرے تعمیری اور تخریبی اُمور کی مثل جنگ کی قیمت بھی
اُسی وقت برداشت کی جاتی ہے جب کہ وہ جاری رہے اس لئے کہ سازوسامان
کے علاوہ افواج کے مصارف لاحق ہوتے ہیں۔ اس امر سے قطع نظر کہ
تیار کی ہوئی اشیاء کا بیشتر حصہ میدانِ جنگ میں تہ وبالا ہوگیا اور اشیاء
کی پیدائش کے سلسلے میں جو مجموعی محنت صرف ہوئی تھی اس میں لاکھوں

اشخاص کے ہلاک اور مجروح ہو جانے کے باعث نمایاں اضافہ ہو گیا۔ جنگ کے مجموعی مصارف کو ہی جن میں جانی نقصانات کے علاوہ محنت اور ساز و سامان شامل ہوتا ہے جنگ کی ایسی حقیقی قیمت تصور کیا جانا چاہیئے جسے دوران جنگ فی الفور ادا کر دیا گیا۔

جب جنگ کے مصارف دورانِ جنگ ادا کر دیئے گئے تو پھر کیا وجہ کہ جنگ کے سینکڑوں برس بعد بھی اُن کے اخراجات کے سلسلے میں کوئی ملک جنگی قرضوں پر سود ادا کرے۔ برطانوی محصول ادا کرنے والا آج تک اس قرضے پر سالانہ ساڑھے سات لاکھ پونڈ سود ادا کرتا ہے جو ۱۸۱۵ء میں واٹرلو کی جنگ میں حاصل کیا گیا تھا۔ امریکی محصول دہندہ اسّی برس قبل جو خانہ جنگی ہوئی تھی اس کے قرضہ میں چوگنی رقم بطور سود ادا کر چکا ہے لیکن اس کے بعد بھی ایک ارب ڈالر کا بار موجود ہے۔

نفع کمانے والوں اور درمیانی مالی اداروں کو جو منافع حاصل ہوا یا جو سرمایہ واپس ملا اُسے بھی ایک حد تک جنگی قرضوں کی ادائی کے لئے استعمال کیا گیا جس کے باعث قومی قرض میں معتدبہ اضافہ ہوا۔

انگلستان کے قومی قرضے میں پہلی جنگ سے قبل بھی جو غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس اضافے کے چار اسباب تھے۔ ماقبل جنگ اثاثوں کا دوبارہ شغل، برطانوی بنک کاری کے حق میں ایک ہزار ملین پونڈ کی رقم کی منتقلی جس پر سود وصول ہو رہا تھا، بچتوں سے خریدے ہوئے ہزار ع مالی کاروباروں سے حاصل کئے ہوئے منافعے۔

اگر ہم یہ فرض کریں کہ پہلے اور تیسرے سبب کے باعث قرض سات سو ملین پونڈ سے بڑھکر تین ہزار پونڈ قرض ہوگیا تھا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بقیہ چار ہزار پونڈ میں سے ایک تہائی پر بنک قابض ہوگئے اور تین چوتھائی مالی اداروں کے نذر رہوا۔

اِس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مالی اِداروں اور کاروباریوں کو جو یہ تین ہزار ملین پونڈ کی رقم حاصل ہوئی وہ اس مجموعی منافع کے مقابلے میں برائے نام تھی جو انھوں نے دورانِ جنگ کمایا۔ اِس امر کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ بنکوں کی امانتوں کی ڈھائی گنی گردش نے ما قبل جنگ زمانے کے مقابلے میں صنعت کو بہت زیادہ مقروض کر دیا۔ اِس طرح جنگ کے مالی مصارف قرضوں کے دعووں کی حیثیت سے ملک کے خام سرمائے میں شامل ہوگئے۔ چار برس کی قلیل مدت کے اندر متذکرہ بالا مالی کاروباروں نے قومی قرضے کے نصف سے زائد حصے پر دعویٰ قائم کرلیا۔

مختصر یہ کہ باوجود اِس کے کہ جنگ کی قیمت سازوسامان محنت اور جانوں کی شکل میں ادا کی جا چکی تھی۔ اس کے مالی بدل یا مبادل ایک ایسی اقلیّت کے قبضے میں چلے گئے جو بنک کے حصے داروں، مالی کاروباروں، اور صنعت گروں پر مشتمل تھی۔ برخلاف اس کے سپاہیوں کو تنخواہ ایک شلنگ روزانہ دی جاتی تاکہ وہ فرانس یا کسی دور دراز ملک میں اپنی جانیں خطرے میں ڈالیں اور بھینٹ چڑھائیں اور یہ سلسلہ

جاری رہے۔"

ستم ظریفی یہ کہ سپاہی کو جنگ سے واپسی پر دودھ کی مکھی کی طرح الگ کر دیا گیا بلکہ وہ اس نوکری سے علیحدہ ہونے کے باعث اس آمدنی سے بھی محروم ہو گیا جو اس کے لئے جنگ سے قبل اس کی روزی کا ذریعہ تھی۔ غرض یہ تھا وہ صلہ جو سپاہی کو دیا گیا جس نے اپنی صحت، جسم اور زندگی تک جنگ کی نذر کر دی تھی۔"

اس معاملہ میں اسلام نے بالکل سیدھا راستہ دکھلایا ہے۔ قومی جنگ یا جہاد میں اسلامی سلطنت میں نہ صرف محنت بلکہ اصل کو بھی جبری طور پر حاصل کرنے کا حکومت کو حق حاصل ہے اس طرح اسلامی جنگوں کے مصارف موجودہ نسلوں کو ہی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے قرضوں کا بار ورثہ کے طور پر نہیں چھوڑا جاتا۔ ایسی صورت میں جب کہ جنگ کا جسمانی بار موجودہ نسلیں برداشت کرتی ہیں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ مالی بار بھی کیوں برداشت نہ کریں اور آئندہ نسلوں پر اس قرض کو منتقل کر کے ان کی مستقبل کی قوت پیدا آوری کو متاثر کریں ایسی حالت میں جبکہ ایک سپاہی کو اپنی خدمات پیش کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن اسے آئندہ کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا جاتا تو ایک ایسے سرمایہ دار کو جس کے پاس فاضل رقوم موجود ہیں اس کا موقع کیوں دیا جائے کہ وہ نہ صرف خود بلکہ اس کی اولاد جو جنگی قرضوں کی وارث ہوگی قوم سے اُس کا معاوضہ بطور سود وصول کریں

اور آئندہ نسلونکی زبون حالی اور سلطنتوں کی تباہی کا باعث بنیں۔ اسلام صرف مخصوص حالات میں جنگ کے سلسلہ میں غیر سودی قرضوں کی اجازت دیتا ہے۔

اس قسم کے قرضوں نے کس طرح سلطنتوں کو تباہ کیا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہو سکتا ہے۔

سود اور سلطنتونکی تباہی

ساہو کاروں کی حرص و ہوس بہت سی سلطنتوں کی تباہی کا باعث بنی ہے، مسٹر جی فیرو کی مشہور تصنیف "روما کی عظمت اور زوال" میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جن سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ ساہو کاروں کا وجود سلطنت روما کی تباہی کا باعث بنا۔ اِن ایام میں اطالوی معاشرہ قرض کی ایک بھول بھلیاں سا ہو گیا تھا قرض اور اعتبار کے اقرار ناموں کی تاریخ ادائیگی پر مسلسل تجدید ہوتی رہتی اور ان کا لین دین بالکل اسی طرح ہوتا تھا جیسے کہ آج تمسکات اور ہنڈیوں کا ہوتا ہے ملک میں سرمایہ کی قلت تھی۔ دولت کے لئے یہ انتھک کشمکش جس میں تمام اطالوی مصروف تھے بالآخر قوم کے تباہی کا موجب بنی۔ اِس دور میں کئی ایسے افراد زور پکڑ گئے تھے جن کے ذاتی مفادات قوم کے مفادات سے ٹکر کھاتے تھے۔ اِن مفادات کو

ختم کرنے کے لئے ایک قیامت کی ضرورت تھی آخر نتیجہ یہ نکلا کہ روما کی سلطنت کو ساہوکاروں اور ساہوکاری لین دین نے ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔

نپولین کی تباہی نپولین کی داستان عشق کے مصنف مسٹر ولسن نے یہ لکھا ہے کہ نپولین کی شکست اور فرانسیسی سلطنت کے خاتمہ کا حقیقی سبب سرمایہ کے اثرات تھے وہ لکھتا ہے کہ " اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نپولین کے عہدِ حکومت میں وسیع علاقوں کے حصول سے بھی زیادہ مالیات پر قبضہ کرنے کو زیادہ اہمیت تھی اگر فرانسیسی شہنشاہ اپنے مالی نظام سے دست بردار ہو کر لندن کا طریقہ اختیار کرتا یعنی بازار زر سے قرضہ لیتا تو جس وقت وہ چاہتا صلح ہو سکتی تھی۔" جدید بت پرستی" کے مصنف مسٹر جافری مارک نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ یہ بتلانا غیر ضروری ہے کہ ایسے مورخین نے جنھوں نے تاریخی واقعات موجودہ سود پسند جمہوریوں کی حکومتوں کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے لکھے ہیں اور یہ حکومتیں جن کی بنیادیں ہی سودخوری پر قائم ہیں ایسے مورخین نے صورت حال کو بالکل غلط پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں نپولین ایک ایسی رومانوی ہستی تھی جو یورپ کے امن کی دشمن تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ نپولین صرف ساہوکاروں کے اقتدار کا مخالف تھا اس کی رعایا کو اس سے جتنی محبت تھی اور جس وفاداری سے اس کی قوم نے اس کے لئے خون بہایا اس کی نظیر تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ وہ ان کے ساتھ رہتا اور ان کے لئے لڑتا جس کا انھیں کامل احساس تھا۔"

لارنس ڈینس نے شہر نیویارک کے ادارۂ ذاتی نظم ونسق کے سامنے ۱۹ر جنوری ۱۹۳۳ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا:-

" ارسطو رومن کیتھولک کلیسا کے پادریوں یہودیوں کی مقدس کتاب توریت غرضیکہ ہر ایک نے سودی قرضوں کی مذمت کی۔ سود کا رواج قرونِ وسطیٰ میں ہوا جبکہ حکمرانوں کو جن کی ضروریات یا شخصی معاملات کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی اور ان کے پاس رقوم موجود نہ ہوتیں۔ سودی قرضے لینے شروع کئے۔ موجودہ تصور کے خلاف سود کے کاروبار کی ابتدا تجارتی ضروریات کے لئے نہیں ہوئی اہل وینس۔ اہل ہالینڈ اور اہل برطانیہ سترہویں صدی تک اور تمام دوسرے سوداگر تجارت کے سلسلے میں اپنی مالی ضروریات کو شراکت کے ذریعہ پورا کرتے تھے۔

اس کے بعد لارڈ ڈیکنس فرماتے ہیں۔

" رومن کلیساؤں نے تجارتی کاروبار۔ زمینات پر لگان اور زمین کی پیداوار کی فروخت سے جو منافع حاصل ہو اس کی ممانعت نہ کی تھی بلکہ وہ صرف ایسے قرضوں کے مخالف تھے جن پر سود ادا کیا جائے۔"

" اصلاح مذہب کے دور میں رومن کلیسائیوں کے اعتراضات کی تردید کے خیال سے پروٹسٹنٹ طبقہ نے سود کے لین دین کو مدلل بنانے کی کوشش کی۔ کیتھولک کلیسا نے سود کے خلاف اپنے رویہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی سوائے اس کے کہ انھوں نے بعض مفروضات کے پیش نظر قرض کے کاروبار کو گوارا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ

موجودہ معاشروں کے قوانین وخیالات اور رواج پر سود حاوی ہونے لگا۔
اس سے جو نتائج رونما ہوئے وہ ہر شخص پر روشن ہیں اس سلسلہ میں مسٹر
جافری مارک کے فقرات کو دوبارہ دہرانا دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔
" اصول ربا کے رواج اور اس کے قانونی طور پر جائز ہونے کے باعث
زر اور اعتبار نیز سونے کو جس پر ان کی بنیاد ہوتی ہے عام طور سے
ایسی اشیاء متصور کیا جاتا ہے جن کی خرید و فروخت قومی اور بین قومی
بازارات میں ہو سکتی ہے زر کا لین دین آج کل بین الاقوامی مالی
سوداگروں کا نہایت مضرت رساں فریضہ ہے خواہ انھیں اس کا
احساس ہو یا نہ مگر ربا کے تفوق کی وجہ سے زر کے بطور آلہ مبادلہ
استعمال ہونے میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں حالانکہ درحقیقت زر کا
مقصد ہی آلہ مبادلہ بننا ہے۔
جیسا کہ اس سے قبل واضح کیا جا چکا ہے زر اور اعتبار ہئیت
سیاسی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں ایسی حالت میں ان کو
کسی کی ملکیت تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی کو اس کا استحقاق
ہے کہ وہ زر کا ذخیرہ کرے۔ اشیاء کی فراہمی میں جملہ دقتوں کا سبب
یہ ہے کہ شغل اصل کا جذبہ ترقی پذیر رہتا ہے اور آمدنی سود کی نظر
ہو جاتی ہے۔ سود در سود کا یہ چکر معاشرے کے بہترین دماغوں کو ذہنی گہن
لگا دیتا ہے جس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے موجودہ معاشرے میں
فنون، صنعت اور عمرانیات کے ہر شعبہ میں جو ضرورت سے زائد عقلیت

پسندی کے رجحان پائے جاتے ہیں وہ بھی سود خوری کی ہوس کا نتیجہ ہیں
زر کو محض اشیاء اور خدمات کے مبادلہ کے لئے استعمال ہونا چاہیئے اِس
طرح اس کی کوئی ذاتی قدر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اِس نظریئے کے مطابق
تسکیک زر گردو پیش کے حالات کے مطابق بطور آلہ مبادلہ کے ہونا چاہیئے
تاکہ اسے معاشرے کی تیار کردہ اشیاء اور خدمات خریدنے کے کام میں
لایا جا سکے۔"

اِن نقائص کو اب محسوس کیا جا رہا ہے۔ مسٹر آرتھر کنسٹن نے
۱۵ مئی ۱۹۳۰ء کو اِنگلستان کی میکیلن کمیٹی کے روبرو اپنی شہادت میں کہا[1]۔

"میں رِبا کی ہر قسم کا مخالف ہوں اِبتدائے آفرینش سے دنیا کے
لئے یہ لعنت بنا ہوا ہے اس نے متعدد سلطنتوں کو تباہ کر دیا اور یہ موجودہ
سلطنت کو بھی تباہ کر کے رہے گا۔ کوئی ایک اخلاقی اور مذہبی مصلح بھی ایسا
نہیں جس نے سود کی مذمت نہ کی ہو باوجود اس کے کہ مسٹر کنس نے سراسر
حقیقت کا اِظہار کیا تھا ماہرین نے اسے درخور اِعتنا نہ سمجھا۔

منافعوں اور سود کے درمیان فرق

اِسلامی نظریئے کے اکثر مخالفین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب اسلام نے
منافع کو جائز قرار دیا ہے تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ سود کو ناجائز قرار دیا جائے

[1] دیکھو میکیلین کمیٹی رپورٹ شائع کردہ برطانوی حکومت جلد سوم صفحہ ۳۳۵۔

جبکہ سود فی الحقیقت اصل کا منافعہ ہے اس مسئلہ پر ہم آئندہ تفصیل سے بحث کریں گے لیکن یہاں ہم یہ بتادیں کہ اس معاملہ میں اسلام نے عیسائی مذہب کے رویہ کی توثیق کی ہے۔

ارسطو اور بعض دوسرے قدیم فلسفیوں کی بھی یہی رائے تھی، اسلام نے منافعوں کی اجازت دیتے ہوئے سود کی اس لئے ممانعت کی ہے۔ کہ سودی قرضوں کے اثرات کاروبار تجارت وصنعت کے لئے بے انتہا مضرت رساں اور تباہ کن ہوتے ہیں۔

ان مضرات پر ہم آئندہ باب میں روشنی ڈالیں گے۔

چھٹا باب

مقررہ شرح کے سُودی قرضوں کے اثرات کاروبار پر

ہمارے مقالہ کا غالباً یہ سب سے زیادہ دوررس اور فیصلہ کن جزو ہے۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب اِسلام نے منافعوں زمین کے لگان اور شراکتی کاروبار کے منافعوں کو جائز قرار دیا ہے اور یہ سب آمدنیاں غیر متکسب ہیں یا اُن سے کوئی بھی "کمائی ہوئی" آمدنی نہیں تصور کیجا سکتی تو کیا وجہ ہے کہ کاروباری قرضوں پر جو کہ بلحاظِ نوعیت پیداور ہوں سود حاصل کرنے کی ممانعت کی جائے۔ معترضین کی نگاہ میں یہ اعتراضات اور زیادہ وزن دار ہوجاتے ہیں۔ جبکہ اُنھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بھی اِسلام کمپنیوں کے حصص کی آمدنی کو جو حلال کاروبار کرتی ہیں

جائز قرار دیتا ہے۔ لیکن کمپنیوں کے یا حکومت کے بانڈز (BONDS) یا ایسے تمسکات جن پر سود کی شرح مقررہ ہو انھیں اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔

بظاہر یہ اعتراض بہت مدلل معلوم ہوتا ہے اور بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان جو موجودہ معاشی نظام کی پیچیدگیوں سے واقف نہیں ہوتے ان اعتراضات سے متاثر ہو جاتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ اس قسم کے قرضوں کی نوعیت غیر شخصی ہوتی ہے اور چونکہ یہ پیداوار اغراض کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے انھیں ربا تصور کرنا صحیح نہیں جس کی ممانعت کہ اسلام نے اس زمانہ کے عرب کے معاشی حالات کے پیش نظر کی تھی۔

ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کے تعلیم یافتہ حضرات نے اسلامی مفاد کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہہ عقیدہ ہے کہ اسلام کے اصول بحیثیت ایک مذہب کے صرف عرب کے ریگستانی جزیرہ تک محدود نہیں۔ ہمارا یہ یقین ہے اور بالکل صحیح طور پر یقین ہے بلکہ ایمان ہے کہ اسلام کے اصولوں کا انطباق ہر زمانہ۔ ہر تمدن اور ہر معاشرت پر ہوتا ہے۔

راقم الحروف کو جدید علوم اور معاشیات کے مطالعہ نے قرآنی احکام کے متعلق عقیدہ کو اور بھی زیادہ غیر متزلزل بنا دیا ہے اور نہایت اعلیٰ پایہ کی معاشی تصانیف نے مجھے قائل کر دیا ہے کہ اسلام نے ہمارے ان مسائل کے لئے جنھیں سلجھانے کے لئے آج کی ترقی یافتہ دنیا کے

بہترین دماغ سرگرداں ہیں۔ آج سے تیرہ سو چونسٹھ برس قبل نہایت موثر اور صاف صاف حل پیش کر دیا تھا۔ جنگی قرضوں کے پیچیدہ پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ہم گذشتہ صفحات میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ کس طرح اِسلام نے اُنھیں حل کیا ہے۔

اب ہم اول تو ایسے سودی تمسکات کے مضر اثرات کو واضح کریں گے جن پر مقررہ شرح سے سود وصول ہوتا ہے اس کے بعد معاشی نظام پر ان کے اثرات کو پیش کرتے ہوئے اِسلام نے ان کو جو حل بتلایا ہے اُسے پیش کریں گے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ موجب سہولت ہوگا اگر ہم پہلے بعض اِعتراضات کا جواب دیدیں کہ کیوں اِسلام نے سود کی ممانعت کی ہے اور منافع وغیرہ کی اِجازت دی۔

سود کے نظریوں پر بحث کرتے ہوئے ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ آخر سود کیوں ادا کیا جاتا ہے اس کے بعد ہم نے یہ تبلایا کہ کس طرح معاشیات کے مختلف مکاتب خیال نے اس کی مختلف توضیحات پیش کی تھیں لیکن ان میں سے ایک بھی تشفی بخش نہ تھی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جب قرض دینے والا قرض کے اِستعمال سے آمدنی حاصل کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ قرض لینے والے کو اس سے محروم کر دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر قرضدار کو قرض کے سلسلے میں نقصان ہو تو کیوں نہ قرض دینے والے کو بھی اِس میں شریک ہونے پر مجبور کیا جائے؟ اسلام نے

اس سلسلہ میں درمیانی راستہ بتایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو قرض دیجئے جنھیں اس کی حاجت ہو اگر انھیں آپ کے سرمایہ کے استعمال سے منافع ہو تو آپ منافع میں حصہ دار بن جائے لیکن اگر شومئ قسمت سے انھیں خسارہ ہو تو آپ کو ان کے نقصان میں بھی شریک ہونے پر تیار ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔

یہ مسئلہ کہ اسلام سودی قرضوں کے خلاف ہے اور کیوں خلاف ہے سیدھا سادا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام ایسے قرضوں کے خلاف ہے کہ جس میں یہ معاہدہ کر لیا جائے کہ قرضدار کو خواہ نفع ہو یا نقصان قرضدار اپنا سود وصول کر کے رہے گا۔ یہ ربا ہے۔ لیکن اگر روپیہ قرض دیا جائے اور نفع نقصان کو باہمی طور پر تقسیم کرنے کا معاہدہ کر لیا جائے تو یہ مثال کاروباری شراکت کی ہے اور اسلام اس کی نمایاں طور پر ترغیب دیتا ہے کیونکہ اسے اس کا کامل احساس ہے کہ سرمایہ تجارت کاروبار اور صنعتوں کی ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔ سود کی مقررہ شرحوں اور غیر معینہ شرحوں کے فرق پر اس قدر زور دینا بال کی کھال نکالنا نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ یہ فرق معمولی نہیں اور نہ یہ دو اصطلاحات ایک ہی جزو سے متعلق ہیں جیسا کہ بعض اوقات کہا جاتا ہے بلکہ یہ اختلاف بنیادی اور نہایت اہم ہے اس مسئلہ کو اس وقت حل کیا جا سکتا ہے اگر ہم یہ سوال کریں کہ ایک کمپنی کے حصہ دار اور تمسک دار میں کیا فرق ہے؟ وہ حضرات جو کہ موجودہ کاروباری نظام کی پیچیدگیوں سے ناآشنا ہیں اسے بال کی کھال

نکالنا کہیں گے۔ لیکن واقعہ اس کے سراسر خلاف ہے کیونکہ حصہ داروں اور تمسک داروں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے حصہ دار کمپنی کے مالک ہوتے ہیں اور انھیں کمپنی کے معاملات اور کاروبار میں دخل دینے کا استحقاق ہوتا ہے مجلس نظما جو کمپنی کا انتظام کرتی ہے انھیں حصہ دار برخاست کر سکتے ہیں۔ نظما حصہ داروں کی جانب سے کمپنی کا انتظام کرتے ہیں اور کمپنی کے مسالک کا تصفیہ خود حصہ دار کرتے ہیں۔

چونکہ حصہ دار کمپنی کے مالک ہوتے ہیں اس لئے وہ اس کے اچھے اور بُرے دونوں دنوں کے ساتھی ہوتے ہیں جب کمپنی کا کاروبار اچھا ہوتا ہے تو اُنھیں خوب منافع ملتا ہے لیکن جب کمپنی کا کاروبار اچھا نہیں ہوتا تو اُنھیں برائے نام منافع بلکہ بعض صورتوں میں گھاٹا اُٹھانا پڑتا ہے برخلاف اس کے تمسک دار کمپنی کے لئے لین دار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ صرف کمپنی کو مقررہ شرح سود کے حساب سے قرض دیتے ہیں۔ نہ وہ کمپنی کے مالک ہوتے ہیں اور نہ انھیں کمپنی کے کاروبار میں مداخلت کی اجازت ہوتی ہے وہ معینہ شرح سود وصول کرتے رہتے ہیں مثال کے طور پر اگر انھوں نے چھ فیصد سود کے حساب سے قرض دیا ہے اور کمپنی کو دس فیصد منافع حاصل ہو رہا ہے تو انھیں صرف چھ فیصد سود ہی ملے گا لیکن حصہ داروں کو منافع دس فیصد ملے گا۔ اس کی برعکس صورت میں جبکہ کمپنی کی حالت ناگفتہ بہ ہو اُسے کوئی منافع نہ ملے گا لیکن تمسک دار چھ فیصد وصول کرکے رہتے ہیں۔ اگر کمپنی

دیوالیہ قرار دی جائے گی۔ تب بھی کمپنی کے اثاثوں پر ان کا حق قابض ہوگا۔ سود کی معینہ شرح کساد بازاری کے دور میں نہایت مضرت رساں ثابت ہوتی ہے چنانچہ ہم اس سلسلہ میں ایک ممتاز پولستانی بنکر کے خیالات پیش کرتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب "قرض اور امن" میں بیان کئے ہیں[1]

---

[1] قرض اور امن۔ کساد بازاری سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ۔

از پروفیسر فی کس ٹے زسکی پی۔ ایچ۔ ڈی۔

پروفیسر فی کس ٹے زسکی بین الاقوامی شہرت کے بنک کار ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب صلح ہوئی تو انھوں نے پولستان کے مالیات کو درست کرنے اور ملک کے زر کو مستحکم بنانے کی طرف توجہ مبذول کی۔ جب پولینڈ کا مرکزی بنک قائم ہوا اور جن کے قیام میں خود ان کا بہت کچھ حصہ تھا تو وہ اس کے نائب صدر بنائے گئے اور پانچ برس تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پولینڈ کو ۱۹۲۷ء میں جو بیرونی ممالک سے قرضہ حاصل ہوا اس کی گفت و شنید بھی انھوں نے کی تھی۔ بنک میں جب ان کی ۵ سالہ مقررہ مدت ختم ہوگئی تو وہ جامعہ پولینڈ میں بنک کاری کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہ مجلس اقوام کی مالیاتی کمیٹی کے بھی رکن رہ چکے ہیں۔ انھوں نے پولستانی انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے زیادہ اہم مندرجہ ذیل دو کتابیں ہیں۔

(۱) معیار طلاء۔

(۲) طلاء اور مرکزی بنک۔

پروفیسر فی مکس ملے زر کی اور معینہ شرح سود کے مضر اثرات

جنگ کے بعد کے ایام میں مصارف پیدائش مقابلتہً غیر تغیر پذیر ہو گئے تھے۔ اور ان میں لچک پذیری باقی نہیں رہی تھی۔ معینہ مصارف[1] پیدائش کے

---

[1] ہم نے صفحہ ۱۵۰ پر جو نوٹ لکھا ہے اس میں تبلایا گیا تھا کہ کس طرح ملک میں روزگاری کی وجہ سے لوگوں کی طلب مختلف اشیاء کے لئے کم ہو جاتی ہے۔ اسی تصویر کا ایک دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ جب قیمتیں گرنے لگتیں ہیں تو بعض اوقات تاجروں کو اپنے ال کے اتنے دام بھی نہیں وصول ہوتے جس سے معمولی منافع تو کیا اصلی لاگت بھی وصول ہو سکے۔ وہ اس صورتِ حال میں کاروبار میں کمی کرنے پر اور بعض اوقات دوسرے کام بند کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں اس کمی یا پیدائش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزدور بیکار ہو جاتے ہیں اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری لوگوں کی قوت خرید کو کم کر دیتی ہے۔ جس سے کساد بازاری اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ ایسے زمانے میں کاروبار میں کسادی کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ بعض ایسے اخراجات (جسے اصطلاحی زبان میں معین اخراجات کہا جاتا ہے) مثلاً سود۔ ان میں کمی نہیں ہوتی۔ اگر ایک کاشتکار نے ۱۲ فیصد سالانہ شرح کی حساب سے سود کی رقم قرض لی تھی اور اس وقت گیہوں کی قیمت ۶ روپیئے فی من تھی تو جب گیہوں کی قیمت ۳ روپئے فی من رہ جاتی ہے تو اُسی قدر سود ادا کرنے کے لئے اُسے

باعث غیر معینہ مصارف کا جزو بھی متاثر ہو رہا تھا۔ مزدور سبھائیں اُجرتوں میں اضافہ کی کوشش کر رہی تھیں جس کی وجہ سے اجرتوں کی ایسی حد معین ہو گئی تھی جن کے نیچے وہ نہیں آسکتی تھیں۔

مشغول شدہ سرمایہ۔ چالو سرمایہ۔ سماجی بیمہ۔ سرکاری محاصل اور مقامی محاصل کے باعث مصارف روبہ ترقی تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مابعد جنگ معشیت میں ایک انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ قلیل المدت قرضوں کی توسیع کے باوجود آبادی کے اضافہ اور پیدائش کی ترقی کی رفتار بہت سست تھی۔ ۱۹۱۳ء تا ۱۹۲۳ء دنیا کی آبادی میں صرف دس فیصد کا اضافہ ہوا اور اجناس خوردنی اور خام اشیاء کی پیدائش میں پچیس فیصد ذرائع ادائی بنکوں کی امانتوں میں اضافے اور قلیل المدت قرضوں میں توسیع۔ آبادی کے اضافے اور پیدائش کی ترقی سے بہت زیادہ

حاشیہ بقیہ صفحہ (۲۷۱) دگنا گیہوں فروخت کرنا پڑتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس پر پہلے کی بہ نسبت اب دگنا بار پڑا ہے۔ سود کے معاہدات کیونکہ لمبے عرصے کے لئے ہوتے ہیں۔ بالخصوص بڑے پیمانے کے کاروبار کے سلئے اس کا بار زیادہ شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایک معینہ شرح کی سخت مخالفت کی ہے۔

تجاوز کر گئے۔

اس کو ہم اعتباری افراطِ زر کا لقب دیں یا نہ دیں۔ یہ محض ایک اصطلاحی سوال ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ۱۹۲۸ء میں دنیا کے پاس اس کی آبادی اور پیدائش کے مقابلہ میں ۱۹۱۳ء کے نسبت بہت زیادہ قلیل المدت ذرائع ادائی موجود تھے اس سے ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ آبادی اور پیدائش دولت کے مقابلہ میں قلیل المدت اعتبار کی مقدار میں غیر معمولی اضافہ کے باعث جنگ کے بعد مصارفِ پیدائش میں نمایاں اضافہ ہو گیا اس کے ساتھ ساتھ مصارف پیدائش میں مصارف قرض کے باعث بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اعتبار کی قیمت مقررہ اور غیر تغیر پذیر تھی اس میں محض اس لئے اضافہ نہیں ہو رہا تھا کہ اعتبار کی اہمیت بڑھتی جا رہی تھی۔ بلکہ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ جنگ کے بعد اوسط شرح سود میں اضافہ ہو چکا تھا۔

اعتبار کی ایک اہم شاخ طویل المدت شغل رہی ہے۔ اس نوع کے قرضوں کو جو چیز متاثر کر رہی ہے اس کا سبب محض مقروضیت کی شدت نہیں بلکہ طریقہ کار کا نقص ہے رواج یہ ہے کہ قرضدار معقول ضمانت دیکر طویل مدت یعنی بیس یا تیس برس کے لئے قرض حاصل کر لیتا ہے اور اس کی ادائی سالانہ یا ششماہی اقساط میں ہوتی ہے قرض پر سود کا تعین ساری مدت کے لئے یکساں شرح سے ہوتا ہے سرکاری قرضوں کے سلسلے میں بنکر دین دار اور لین دار کے درمیانی دلال کے فرائض

انجام دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۲۸ء میں جس شخص نے سات فیصد سالانہ کی شرح سے قرض لیا تھا اُسے ہر سال سود اور اصل کی ادائی کے لئے ایک معینہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے اس دوران میں فرض کر لیجئے کہ قیمتوں میں پچاس فیصد تخفیف ہو جائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرضدار دوگنی مقدار میں اشیاء فروخت کر کے سالانہ قسط ادا کر سکے گا اس طرح بظاہر تو قرض کے مصارف میں کوئی اضافہ نہیں ہوا لیکن اس کی حقیقی قدر میں زر کی اکائی یعنی سونے کی قوتِ خرید میں اضافہ کے باعث نمایاں زیادتی ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ قرض کا یہ بار قرضدار کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ نادہندہ ثابت ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جو حالات کی اس تبدیلی کے بعد بھی قرض ادا کر سکتے ہیں ان کی تعداد روز بروز کم سے کمتر ہوتی جا رہی ہے سود کے رقوم ادائی قرض کے رقوم سے زیادہ اور معاشی ترقی کے اوسط سے متجاوز ہیں جو کہ کم و بیش تین فیصد رہی ہے اکثر اوقات شرح سود چھ سات فیصد بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو دراصل بہت تشویشناک ہے اگر قیمتیں یکساں رہتیں تو قرضدار قرض واپس کر سکتا ہے لیکن اگر قیمتیں تیزی سے گر جائیں تو ایماندار سے ایماندار قرضدار بھی کبھی نہ کبھی نادہند ثابت ہوگا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر طویل المدت قرضوں میں اس قدر اضافہ نہ ہوا ہوتا تو لوگ دیوالیہ بھی نہ ہوتے۔ اس قسم کے اعتبار میں غیر معمولی توسیع کے باعث بالخصوص بین الاقوامی قرضوں کے سلسلہ میں دیوالوں کی تعداد

اور مقدار میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ سود کے طریقہ کی اصلاح کی جائے۔ بیس بائیس برس کی مدت کے لئے یکساں شرح سود مقرر رکھنا بیسویں صدی میں ایک عجوبہ ہے جس سے قرض لینے والے کی ناعاقبت اندیشی اور قرض دینے والے کی لاپروائی ظاہر ہوتی ہے۔ مقروضیت کے بارے میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اعتبار ترقی کے لوازمہ کی حیثیت سے روزافزوں اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے جس کے باعث طویل المدت قرضوں کے مقررہ شرح سود نہایت مضرت رساں ثابت ہو رہی ہے سود کی ایک ایسی بدلتی ہوئی شرح جس کا انحصار تھوک قیمتوں کے اشاری اعداد پر ہو اور جس میں سب سے زیادہ تبدیلی سونے کی قوت خرید کے سلسلے میں ہو یہ امریکہ کی دریافت کے مثل کوئی حیرت انگیز انکشاف نہیں ہے۔ بالعموم قدیم نظام کی موجودگی ہی میں جدید نظام کی بنا ڈالی جاتی ہے چنانچہ موجودہ نظام میں بھی آئندہ نظام کی جھلک نظر آنے لگی ہے صنعت کو حصص کی اجرائی کے ذریعہ ایسے قرضہ ملنے لگے ہیں جن کا انحصار کاروبار کی حالت پر ہوتا ہے ضرورت اس کی ہے کہ اس طریقہ کو ہر قسم کے طویل المدت لین دین تک وسیع کردیا جائے۔ زرعی کاروبار کے لئے صرف مقررہ شرح سود پر ہی قرضہ مل سکتے ہیں اور تعمیری صنعت کا بھی یہی حال ہے ایسی صورت میں یہ امر تعجب خیز نہیں کہ سود کی مقررہ شرحوں کا سب سے زیادہ بار زراعت۔ تعمرات اور سرکاری اداروں کے موازنہ پر پڑتا ہے

یہی وجہ ہے کہ کساد بازاری کا زمانہ طول طویل اور اس کے اثرات زیادہ شدید ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ زراعت اور تعمیری صنعتیں تجارتی چکر کی تمیں کے سلسلہ میں اہم ترین حیثیت رکھتی ہیں۔ موازنہ کا خسارہ مزید شغل اصل سے باز رکھتا ہے اور اس طرح تفریط زر کے حالات شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ بادی النظر میں مسئلہ کو جس طرح میں نے پیش کیا ہے وہ بہت ہی انقلابی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود جس شخص کو بھی اعتبار کی اہمیت اور ترقی سے واقفیت ہے وہ اس بارے میں اصلاح کی ضرور تائید کرے گا اس لئے کہ جس عمل کا آج مظاہرہ ہو رہا ہے وہ سود کی مقررہ شرحوں کے لئے بالآخر سم قاتل ثابت ہوگا۔ کیا کوئی آجر آج آب رسانی گیس یا برقی قوت کے طویل المدت معاہدہ کے سلسلہ میں بھی بیس بائیس برس کے لئے یکساں قیمت مقرر ہ دینے پر رضامند ہوگا؟

کیا اس قسم کے سارے معاہدوں میں بدلتی ہوئی قیمت کا مفروضہ نہیں رہتا۔ کیا کوئی ساہوکار جو اس قسم کا طویل المدت معاہدہ کرے اس کی مالی ذمہ داریوں کی تکمیل کا ذمہ لے گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ طویل المدت معاہدوں میں سرمایہ کی قیمت غیر تغیر پذیر رہے؟

عملی طور پر ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے متعدد طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ معاہدہ کرتے وقت قرضدار تین فیصد سالانہ قرض کی ادائی کا وعدہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ چار فیصد سود کی ادائی کو تھوک فروشی کی قیمتوں کے لحاظ سے اشاری اعداد پر

مبنی قرار دے اور اگر ان اشاری اعداد میں اضافہ ہو تو قرضدار چار فیصد سے زیادہ اور اگر ان اشاری اعداد میں تخفیف ہو تو قرضدار چار فیصد سے کم سود ادا کرے۔ اس طرح قرض دینے والے کو قیمتوں کی تخفیف کے باعث جو نقصان ہوگا اس کی تلافی قیمتوں میں اضافہ کے زمانہ میں ہو جائے گی اس کے ساتھ ساتھ اسے ہمیشہ ۴ فیصد سود کے عوض یکساں اشیا مل سکیں گی علاوہ ازیں کسی حالت میں سود کی شرح تین فیصد سے کم نہ ہو سکے گی۔ چونکہ معاشی ترقی کا اوسط تین فیصد سالانہ ہوگا[1]۔ اس لئے قرض دینے والے کے سرمایہ سے مجموعی قومی آمدنی میں جو اضافہ ہوگا اس کے صلہ میں اسے تین فیصد سود دیا جائے گا۔ بظاہر ایسے معاہدوں میں بھی کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جن میں شرح سود تین فیصد سے بھی کم معین کی جائے۔

متذکرہ بالا طریقہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ سونے کی قوت خرید طویل المدت اعتبار کی حد تک مستحکم رہے گی اور اس طرح بلا شبہ سونے کی قوت خرید میں ان تغیرات کا انسداد ہو سکے گا جن کا کہ یہ آج شدت سے شکار ہے۔

آج ہم سونے کی قوتِ خرید میں ایسا شدید اضافہ دیکھ رہے ہیں

---

[1] جس وقت پروفیسر نرسکی نے اپنی کتاب لکھی تھی اس وقت تین فیصد ہی اقل ترین شرح ذہن میں آتی تھی۔ آج امریکہ میں شرح سود صرف ایک فیصد ہے۔ ان تمام مشکلات کا حل یہی ہے کہ اقل ترین شرح سود صفر ہی متصور کی جائے۔ (قریشی)

جس کے باعث دنیا کا معاشی غلاف تار تار ہوا جا رہا ہے اگر اس قسم کے تغیر پذیر سود کے قرضوں کا طریقہ ۱۹۲۹ء سے قبل اختیار کر لیا گیا ہوتا تو کیا کساد بازاری کا مقابلہ نہ کیا جا سکتا تھا؟ کیا اس طرح زراعت۔ تعمیری صنعتوں اور ایسے سرکاری اداروں کے حالات کی اصلاح ممکن نہ تھی جن کی شغل اصل کی طلب پر بازاروں کا انحصار ہے؟

اوپر کے صفحات میں ہم نے ایک مشہور پولستانی بنکر کے خیالات درج کئے ہیں اُن کے خطاب کے بعد مندرجہ ذیل آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ	خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر اور ان کے کانوں پر .... پردے پڑے ہوئے ہیں

پ۱ بقرہ ع۲۔

لوگ اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں کہ سود کی مقررہ شرحوں کے باعث معاشی ترقی بہت بری طرح متاثر ہو رہی ہے لیکن بجائے اس کے کہ وہ سیدھی سادی طرح سے تمسکات وغیرہ کو ترک کر کے صرف شراکت کی جانب رجوع ہوں اور سود کو ناجائز قرار دیں ایسے پیچیدہ راستوں پر بھٹکتے رہتے ہیں۔ جس سے سود کے مسئلہ کو حل نہیں کیا جا سکتا۔

معاشی ترقی پر سود کے مضرت رساں اثرات

اگر ہم سے دریافت کیا جائے کہ ہندوستان میں معاشی پسماندگی اور سست رفتار صنعتی ترقی کا کیا سبب ہے تو ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ ساہوکاری لین دین کا طریقہ اہم ترین رکاوٹ ہے۔ ہمارے ملک میں بے روک ٹوک ساہوکاری لین دین کا جو طریقہ سن ہائے طور پر رائج تھا۔ وہی فی الحقیقت ہندوستان کی صنعتی ابتری کا باعث ہے جب ساہوکار کو قرض کے ذریعہ بارہ فیصد کی شرح سے سود ملجاتا تھا تو اُسے کیا ضرورت تھی وہ ملک کی صنعتی ترقی کے لیے اپنا سرمایہ لگائے جس میں منافع کی شرح بالعموم بارہ فیصد سے کم ہوتی تھی۔

۱۹۳۳ء کے بعد سے تقریباً تمام صوبوں نے ساہوکاری لین دین پر شدید قانونی پابندیاں عائد کی ہیں اور سود کی بیش ترین شرحوں کا تعین کر دیا ہے اِس لئے شغل اصل کی یہ منفعت بخش صورت ساہوکاروں کے قبضہ سے نکل گئی ہے اور یہ تجارت وصنعت وحرفت میں اپنا سرمایہ مشغول کرنے پر مجبور رہیں۔ اگر ہم سے یہ دریافت کیا جائے کہ ملک کو کس طرح تیز رفتار سے صنعتی بنایا جائے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ ساہوکاری لین دین کو قطعی طور پر ناپید کر دیا جائے اِس طرح ساہوکار مجبور ہوں گے کہ صنعت وحرفت میں اپنا سرمایہ لگائیں اور اس طرح

صنعتی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی۔

ہمیں ہمیشہ اِس امر کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ملک میں تیز رفتار صنعتی ترقی کے خواب کو اس وقت شرمندۂ تعبیر کیا جا سکتا ہے جبکہ مالیات اور صنعت و حرفت میں اشتراک پیدا کیا جائے۔ اس کی اثاث شراکت ہونی چاہیئے نہ کہ معینہ شرح سود۔ اگر ساہوکار صنعتوں میں شریک ہو جائے تو اس کے کاروباری تجربہ اور انتظامی قابلیت سے ملک کی صنعتی ترقی میں نمایاں مدد ملے گی برخلاف اِس کے اگر یہ صرف قرضخواہ اور تمسک دار ہوں تو انھیں جس وقت تک سود ملتا رہے گا انھیں صنعتی معاملات سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

ہندوستان میں ریلوں کی ترقی کو اِس طریق سے شدید نقصان پہنچا کیونکہ پہلے پہل جب اِس ملک میں ریلیں چلائیں گئیں تو ریل کی کمپنیوں سے یہ معاہدہ کیا گیا کہ اُن کے اصل پر انھیں ۵ فیصد منافع حاصل ہوگا اور اگر یہ منافع ریلوں کے کاروبار سے حاصل نہ ہو تو حکومت اس کی تلافی کرے گی۔ یہ طریقہ نہ صرف نقل و حمل کی ترقی کے لئے مضرت رساں ثابت ہوا بلکہ ہندوستان کے محصول دہندہ کو بھی اُس نے نمایاں طور پر متاثر کیا اِس لئے کہ جب یہ کمپنیاں ۵ فیصد منافع کے حصول میں ناکام رہتی ہیں تو حکومت کو اس کی تلافی کرنا پڑتی ہیں۔

سنہ ۱۸۷۹ء میں ایک کروڑ ساڑھے چھیاسی لاکھ روپیہ کا خسارہ ریلوے کے موازنہ میں ہوا جسے لارڈ لارنس اور دیگر معترضین نے

کمپنیوں کی ناعاقبت اندیشی اور ضمانت کے طریقہ کا نتیجہ قرار دیا۔

۱۸۷۲ء میں پارلیمانی کمیٹی میں ولیم تھانٹن نے یہ شہادت دی کہ اگر ضمانت کا طریقہ نہ اختیار کیا گیا ہوتا تو بھی ریلوں کی تعمیر کے لئے برطانوی سرمایہ حاصل ہو سکتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انگلستان میں اس وقت ایسا بہت سا فاضل سرمایہ موجود تھا جسے جنوبی امریکہ اور دوسرے ممالک میں منفعت بخش طور پر مشغول کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندوستان کو مسلسل طور پر نظر انداز کیا جاتا۔ یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا ہے کہ جس گراں سود کی ضمانت دی گئی فی الحقیقت اس کی ضرورت تھی بلکہ واقعہ یہ تھا کہ اس سے ادنیٰ شرح سود پر بھی برطانوی بازار زر سے سرمایہ حاصل کیا جا سکتا تھا اس خیال کو اس امر سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ اس کے بعد حکومت نے ایسے معاہدوں کے ذریعہ برطانوی سرمایہ حاصل کر لیا جن میں سود اور دوسری شرائط برطانوی سرمایہ داروں کے اتنی موافق نہ تھیں۔ ان رعایتوں کے باعث جو برطانوی سرمایہ داروں سے اس سلسلہ میں ملحوظ رکھی گئیں جو نقصان ہندوستان کو ہوا اس سے قطع نظر یہ امر بھی قابل خیال ہے کہ باوجود اس کے کہ حکومت نے ریلوں کی تعمیر میں نمایاں سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن کسی ایسی صنعت کی بنیاد نہیں ڈالی جن سے ریلوں کی ضروریات کی تکمیل ہوتی۔ اس طرح ریلوں کے مجموعی مصارف میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ریلوں کی بدانتظامی کے سلسلہ میں انتظامی عملہ کو بھی موردِ الزام نہیں قرار دیا جا سکتا اِس لئے کہ اُنھیں ۵ فیصد شرح سود کی ضمانت دی جا چکی تھی اور اس کے بعد انھیں انتظامات سے کوئی خاص دلچسپی باقی نہیں رہی لیکن بالآخر ضمانتی طریقہ کی خاتمہ کے بعد حالات کی بہت کچھ اِصلاح ہوگئی۔

سود کے مضر رساں اثرات کے بارے میں چند اور توضیحات

قدیم زمانہ میں اصل کے قلت کے باعث پیدائش میں اضافہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن موجودہ زمانہ میں اکثر دولت مند ممالک میں بچتوں کی وافر اور فاضل مقدار موجود ہے جو محض بیکار پڑی ہے۔ ستم ظریفی یہ کہ اصل کی اس کثرت کے ساتھ ساتھ بے روزگاروں کا بھی ایک وسیع طبقہ موجود ہے۔ لوگ اِس سے بیرو زنگار ہیں کہ سرمایہ دار ایسے میدانوں میں اپنا سرمایہ مشغول کرنے میں تامل کرتے ہیں جن میں موجودہ شرح سود کے مقابلہ میں منافع کی شرح کم ہے۔ مثال کے طور پر اگر سود کی موجودہ شرح ۴ فیصد ہو اور ذرائع آبپاشی میں اسے مشغول کیا جائے جن سے ۳ فیصد آمدنی ہو تو اصل دار کے نزدیک آبپاشی غیر پیداوار ہے اور آبپاشی میں ہرگز روپیہ مشغول نہ کیا جائے گا۔

خواہ وہ سماج کے لئے کتنی بھی ضروری کیوں نہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف اصل بیکار پڑا رہتا ہے تو دوسری طرف وسائل ناکارہ پڑے رہے۔

کسی قسم کے کارہائے عامہ خواہ وہ سماج کی فلاح و بہبودی کے لئے کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں سود پسند معیشت میں اُن کی ابتداء ہرگز نہیں ہوتی اگر ان سے جو منافع حاصل ہوتا ہے وہ سود کی موجودہ شرح سے کم ہو۔ اِس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر سود کی شرحوں کے متعلق پہلے سے تصورات نہ قائم کرلئے جاتے تو بہت سے فائدہ مند امور کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا۔

ہمارے خیال میں زکوٰۃ کا ایک اہم ترین فائدہ یہی ہے کہ اسلام ایسے اشخاص سے محصول کرتا ہے جو اپنے سرمایہ کو بیکار رہنے دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسی بچتوں پر جو سال بھر تک بیکار پڑی رہیں ۲½ فیصد کی شرح سے محصول وصول کیا جاتا ہے اگر ہمارے موجودہ سرمایہ داروں کو بھی ان کے بیکار سرمایہ پر ۲½ فیصد محصول ادا کرنا پڑے تو یقیناً وہ اسے مشغول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اِس طرح ایک طرف روزگار اور خوشحالی میں اِضافہ ہوگا تو دوسری طرف اُنھیں منافع کے باعث زکوٰۃ کی ادائی میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

پروفیسر رابنسن کا خیال ہے کہ "سود فی الحقیقت ایک

قسم کی چھلنی کا کام دیتا ہے جس کے ذریعہ ایسے اُمور کی چھان ہو سکتی ہے جو منفعت بخش ہوں۔ اس کے ذریعہ ایک طرف وسائل کی معقول تقسیم ہوتی ہے تو دوسری طرف منفعت بخش کاموں کی اِبتدا ہوتی ہے ان کا کہنا ہے کہ چونکہ اصل ابتک محدود ہے اور اس کے اِستعمال متعدد اور مختلف ہیں اس لئے ہمیں اصل کے اِستعمال کے سلسلہ میں کفایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصل کو صرف بہترین منفعت والے کاموں میں لگانا چاہیئے۔"

اِس نظریہ کی کامل طور پر مذمت لارڈ کینس نے کردی ہے جن کا خیال ہے کہ شغل اصل کے باعث بچتیں وجود میں آتی ہیں اسں لئے بے روزگاری کا مقابلہ کارہائے عامہ کی توسیع کے ذریعہ کیا جانا چاہیئے۔

اِس میں شک نہیں کہ پروفیسر رابنسن کی یہ دلیل ایک ایسے معاشرے میں اہمیت رکھتی ہے جہاں کامل معاشی آزادی کا وجود ہو کیونکہ ایسے معاشرے میں اگر طوائفوں کے کوٹھوں اور رقص خانوں کی تعمیر پر رہائشی مکانات اور آبرسانی کے مقابلہ میں زیادہ منافع حاصل ہوگا تو اول الذکر کو یقیناً موخرالذکر پر ترجیح دی جائے گی۔

لیکن اِس قسم کی معیشت رفتہ رفتہ زوال پذیر ہے اور ایک ایسی دنیا میں جہاں اصل کی قلت سے زیادہ بے روزگاری

کی شدت سے ہر روز یہ امر واضح ہوتا جا رہا ہے کہ سود کو معاشرے کی فلاح و بہبود کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا اور معاشرے کی ترقی کے لئے سود کو ممنوع قرار دینا پڑے گا۔

تمت
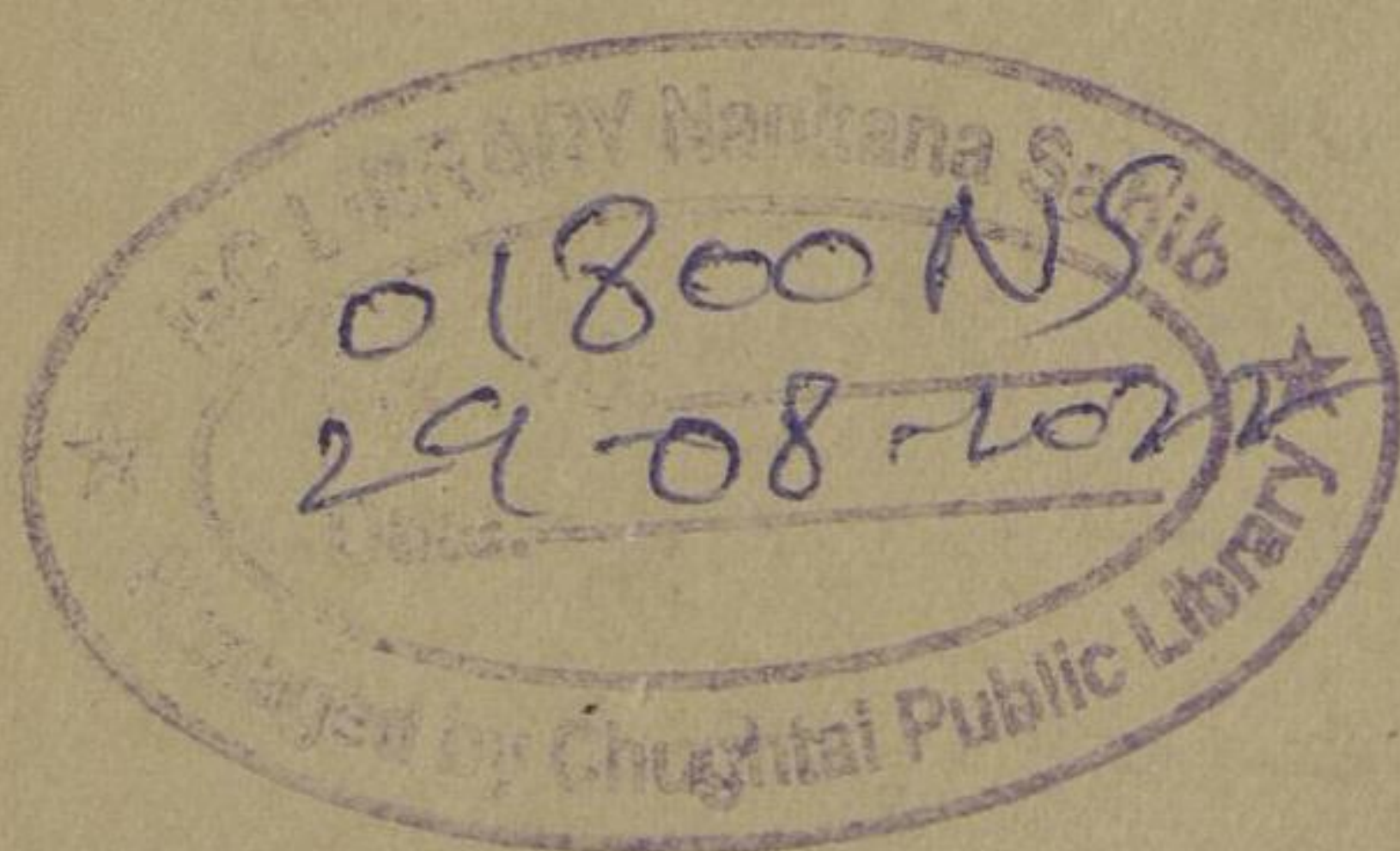
نفیس ترین لٹریچر

ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ
سید عبد الباری ایم - اے - تین روپیہ بارہ آنہ

ہندوستان کی سیاسی انجمنیں - زیر طبع

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم عاں ۱۲ار

اچھوت اور ہندوستان - علامہ
عبد القدوس ہاشمی (زیر طبع)
دو روپیہ بارہ آنے

تصورات پاکستان - قائد اعظم محمد علی
جناح - دو روپیہ بارہ آنے

تشریحات پاکستان - علامہ عبد القدوس
ہاشمی - دو روپیہ چودہ آنے

معاشیات پاکستان - علامہ
عبد القدوس ہاشمی - ایک روپیہ ۱۰ار

ہمارا پاکستان - علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۲ار

پاکستان مخالفین کی نظر میں -
مولوی حسن ندوی بارہ آنے

اسلام کے سیاسی تصورات - پروفیسر
غلام دستگیر رشید ایم - اے عثمانیہ -
دو روپیہ بارہ آنے

حکومت الہیہ - رئیس احمد جعفری -
دو روپیہ چودہ آنہ -

اسلام کا نظام حیات - عبد الوہاب ظہوری
چار روپیہ چار آنے -

ناسیت - شاہد زراقی ایم - اے
(عثمانیہ) دو روپیہ بارہ آنہ

قائدین کے خطوط جناح کے نام -
مترجمہ عبد الرحمٰن سعید دو روپیہ

گاندھی جناح مراسلت بارہ آنہ

افادات محمد علی - رئیس احمد جعفری
تین روپیہ بارہ آنہ

مقالات جمال الدین افغانی - مبارز الدین
رفعت ایم - اے - دو روپیہ ۱۴ار

مقام جمال الدین افغانی۔ مبارز الدین
رفعت ایم۔ اے۔ تین روپیہ۔

اسلام کا نظام عدالت و سیاست۔
پروفیسر یعقوب الرحمن عثمانی۔
(جامعہ عثمانیہ) دو روپیہ بارہ آنہ

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ علامہ
مناظر احسن گیلانی۔ تین روپیہ آٹھ آنہ

فلسفہ عجم۔ علامہ اقبال۔ ۲/ے

تصورات اقبال۔ شاغل فخری ہے

حکمت اقبال۔ مرتبہ غلام دستگیر رشید
ایم۔ اے۔ چار روپیہ

نئے ادبی رجحانات۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین
ایم۔ اے تین روپیہ آٹھ آنہ

نثر ریاض۔ خیر آبادی۔ مضامین
ریاض۔ مرتبہ عقیل جعفری۔
دو روپیہ آٹھ آنے

جگر مراد آبادی۔ حالات تبصرہ
انتخاب کلام۔ تبسم نظامی۔
دو روپیہ آٹھ آنہ

زہریلے آنسو۔ قاضی نذر الاسلام
کی نظموں کا ترجمہ (زیر طبع)

جہانِ آرزو۔ علامہ آرزو لکھنوی
دو روپیہ بارہ آنہ

ذکر جمیل۔ نعتیہ کلام ماہر القادری
ایک روپیہ آٹھ آنہ

فلسفۂ امن۔ احمد حسین نقوی۔
(زیر طبع) دو روپیہ آٹھ آنہ

علمائے سلف۔ نواب صدر یار جنگ بہادر
(زیر طبع) دو روپیہ

سیر افغانستان۔ علامہ سید سلیمان ندوی
دو روپیہ آٹھ آنے

داستان کربلا۔ سعید صدیقی۔
دو روپیہ بارہ آنے

تاجدار دو عالم۔ عبدالرحمن عزام بے
دو روپیہ بارہ آنے

قائد ملت بہادر یار جنگ مرحوم۔
غلام محمد بی۔ اے (عثمانیہ)
دو روپیہ بارہ آنے

امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ علامہ
مناظر احسن گیلانی (زیر طبع)

فکر فرنگ۔ آغا افتخار حسین بی۔ اے
علیگ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ۔

کرنل لارنس۔ حالات زندگی۔
مشیر حسین۔ دو روپیہ بارہ آنہ
بحرین جنگ (عثمان صحرائی)
(زیر طبع) دو روپیہ بارہ آنہ
برنارڈ شاہ کا جہنم۔ آغا افتخار حسین
(زیر طبع) دو روپیہ بارہ آنہ
سہیل کی سرگزشت۔ پروفیسر
رشید احمد صدیقی۔ دو روپیہ ۱۲ا
کوہ نور کی سرگزشت۔ رہبر فاروقی
ایک روپیہ چار آنہ
اُردو ادب میں ظرافت۔ زیر طبع
عشرت۔ دردناک معاشرتی ناول
ڈاکٹر عارف بٹالوی۔
دو روپیہ آٹھ آنہ
مستقبل کے سوداگر (ناول)
رضا زیدی۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
نکتہ چین ہے غم دل۔ مترجمہ
آغا افتخار حسین۔ عا/۱۲
کچھ غم جاناں کچھ غم دوراں۔
(افسانے) ابراہیم جلیس۔
دو روپیہ بارہ آنے

مظلوم دوشیزہ۔ جون آف آرک
فرانیسی دوشیزہ کے نہایت دردناک
حالات۔ مترجمہ برزوجی فیروز شاہ
تاراپوری۔ تین روپیہ۔
چالیس کروڑ بھکاری۔ (افسانے)
ابراہیم جلیس۔ دو روپیہ۔
تکونا دیس (افسانے)
دو روپیہ بارہ آنہ۔
بھوکا ہے بنگال (افسانے)
مرتبہ ابراہیم جلیس۔
دو روپیہ چودہ آنے
آج کل کے رومان۔ (خواتین کے افسانے)
دو روپیہ بارہ آنے
سرنوشت۔ (افسانے) مجنوں گورکھپوری
دو روپیہ۔
نظرین۔ مظہر افضال (افسانے)
(زیر طبع)
ہچکیاں صدیقہ بیگم۔ تین روپیہ
طوفان۔ (ناول) تین روپیہ
غبار۔ (افسانے) قیسی رامپوری عا/۲
خطا (") " تین روپیہ